رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

آو لوگو کہ یہین نور خدا پاؤ گے ۔ لو تمہین طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۲ بابت جون سنہ ۱۹۰۳ء نمبر ۶

فہرست مضامین

Digitized by Khilafat Library

	صفحہ
معرفت الٰہی کے ذرائع	۲۱۷
حضرت مسیح کا دس گم شدہ اسرائیلی قوموں کیطرف جانا	۲۳۱
عصمت انبیاء پر بحث	۲۳۶
اوّل ۔ یسوع کی حمایت سے عیسائیوں کا گریز	۲۳۶
دوم ۔ زبان عربی سے عیسائیوں کی جہالت کا ایک ثبوت	۲۳۷
سوم ۔ ذنب کے معنے	۲۴۰
چہارم ۔ کیا عیسائی قرآن شریف سے حضرت مسیح کی عصمت ثابت کر سکتے ہیں	۲۴۶
پنجم ۔ کیا یہودیوں کی نسبت جرم کا لفظ قرآن شریف میں نہیں آیا	۲۴۸
ششم ۔ احادیث اور عصمت انبیاء	۲۴۹
ہفتم ۔ قرآن شریف میں کسی نبی کو گناہ کا ذکر نہیں ہے	″
لاہور کے بشپ کی رائے ہندوستان کی اخلاقی حالت پر	۲۵۱

انجمن اشاعت اسلام قادیان دار الامان نے

انوار احمدیہ پریس قادیان میں باہتمام شیخ یعقوب علی احمدی تراب چھپوا کر

۲۰ ۔ جون ۱۹۰۳ء کو شائع کیا

چندہ سالانہ .... ادنی کاغذ پر عہ .... اعلی کاغذ پر سے

ضروری التماس

(۱) سکرٹری صاحب انجمن حصہ داروں کی خدمت میں التماس کرتے ہیں کہ جسقدر حصص کا روپیہ انکی طرف باقی ہے اسکو بلاتوقف روانہ کرکے مشکور فرماویں۔ کام کو سہولت کے ساتھہ چلانیکے لئے ایک معقول رقم سرمایہ کا جمع رہنا ضروری ہے۔ لیکن حصہ داروں کی بے التفاتی سے یہ حالت ہے کہ جسقدر روپیہ اخیر دسمبر سنہ ۱۹۰۲ء تک وصول ہونا چاہیئے تہا آج تک بھی اسمیں سے نصف سے بھی کم وصول ہوا ہے ایسی صورت میں ایک نئے کام میں جو مالی مشکلات پیش آسکتی ہیں وہ آسانی سے قیاس کی جاسکتی ہیں۔

(۲) حصہ داران انجمن کا بحیثیت حصہ دار ہونیکے یہ بھی بڑا فرض ہے کہ وہ انگریزی اور اردو رسالہ کی اشاعت کو بڑہانیکے لئے ہر وقت ساعی رہیں۔

(۳) اردو رسالہ کی اشاعت کو ایسی حد تک پہونچانا نہایت ضروری ہوگیا ہے کہ اسی کی آمد پر انگریزی رسالہ کی کافی تعداد غیر اسلامی ممالک میں مفت تقسیم کیجاوی۔ یہ اشاعت حضرت اقدس کے مشن کا بڑا بہاری جز ہے اور اس لئے اس میں حصہ لینا سب احمدی بھائیوں کا فرض ہے۔ امید ہے کہ ہماری دوست اس میں غفلت سے کام نہ لیں گے۔ اردو رسالہ کی قیمت جو ع سالانہ لی جاتی ہے وہ نہ صرف اس رسالہ کی قیمت ہے بلکہ اسکا ایک جزو (اگرچہ بسبب قیمت کو کم کو دینے کے وہ کم ہوگیا ہے) انگریزی رسالہ کی اشاعت میں جو اسوقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بڑی غرض ہے خرچ ہوتا ہے۔ اسلئے ہر ایک دوست کو چاہیئے کہ اس رسالے کو حضرت اقدس کے مشن کی ایک عظیم الشان شاخ سمجھکر اسکی مدد میں حصہ لیوے۔ اردو رسالہ کی اشاعت پانچ چھہ ہزار تک پہونچ جانیسے انگریزی رسالہ اسکی آمد پر چل سکتا ہے اس لئے پانچ چھہ سو سے پانچ چھہ ہزار تک پہونچنے کیلئے جسقدر سعی درکار ہے سب دوست اپنا فرض سمجھکر اسمیں حصہ لیویں۔

(۴) بعض احباب نے اپنی گرہ سے انگریزی رسالہ کی قیمت دیکر غیر ممالک میں مفت رسالہ بھجوایا ہے۔ لیکن انکی تعداد اسقدر تہوڑی ہے کہ اس ذریعہ سے پانچ چھہ رسالوں سے زیادہ باہر مفت نہیں بھیجے جاسکتے اگرچہ بعض دوسرے ذرائع سے یہ تعداد کسیقدر بڑہی ہوئی ہے۔ ہمارے صاحب توفیق دوست توجہ کریں تو کچھہ مشکل نہیں کہ ایسی تعداد ایک سو تک پہونچ جاوے۔

مینجر رسالہ ریویو آف ریلیجنز۔ قادیان ضلع گورداسپور پنجاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

معرفت الٰہی کے ذرائع

اس سوال کے جواب میں واضح ہو کہ اس بارے میں جسقدر قرآن شریف نے مبسوط طور پر ذکر فرمایا ہے اس کے ذکر کرنے کی تو اس جگہ کسی طرح گنجائش نہیں لیکن بطور نمونہ کسی قدر بیان کیا جاتا ہے سو جاننا چاہیئے کہ قرآن شریف نے علم تین قسم پر قرار دیا ہے۔ علم الیقین۔ عین الیقین۔ حق الیقین۔ جیسا کہ ہم پہلے اس سے سورہ الہٰکم التکاثر کی تفسیر میں ذکر کر چکے ہیں اور بیان کر چکے ہیں کہ علم الیقین وہ ہے کہ شے مقصود کا کسی واسطہ کے ذریعہ سے نہ بلا واسطہ پتہ لگایا جائے جیسا کہ ہم دھوئیں سے آگ کے وجود پر استدلال کرتے ہیں ہم نے آگ کو دیکھا نہیں مگر دھوئیں کو دیکھا ہے کہ جس سے ہمیں آگ کے وجود پر یقین آیا سو یہہ علم الیقین ہے اور اگر ہم نے آگ کو ہی دیکھ لیا ہے تو یہ بموجب بیان قرآن شریف یعنی سورہ الہٰکم التکاثر کی علم کے مراتب میں سے عین الیقین کے نام سے موسوم ہے اور اگر ہم اس آگ میں داخل بھی ہو گئے ہیں تو اس علم کے مرتبہ کا نام قرآن شریف کے بیان کی رو سے حق الیقین ہے سورہ الہٰکم التکاثر کے اب دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں ناظرین اُس موقع سے اس تفسیر کو دیکھ لیں اب جاننا چاہیئے کہ پہلی قسم کا جو علم ہے یعنی علم الیقین اسکا ذریعہ عقل اور منقولات ہیں اللہ تعالےٰ دوزخیوں سے حکایت کر کے فرماتا ہے قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ یعنے دوزخی کہیں گے کہ اگر ہم عقلمند ہوتے اور مذہب اور عقیدہ کو معقول طریقوں سے آزماتے یا کامل عقلمندوں اور محققوں کی تحریروں اور تقریروں کو توجہ سے سنتے تو آج دوزخ میں نہ پڑتے یہ آیت اس دوسری آیت کے موافق ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا یعنے خدا تعالیٰ انسانی نفوس کو انکی وسعت علمی سے زیادہ کسی بات کو قبول کرنے کے لئے تکلیف نہیں دیتا اور وہی عقیدے پیش کرتا ہے جنکا سمجھنا

انسان کے حد استعداد میں داخل ہے تا اُسکے حکم تکلیف مالایطاق میں داخل نہ ہوں اور ان آیات میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان کانوں کے ذریعہ سے بھی علم الیقین حاصل کر سکتا ہے مثلاً ہم نے لنڈن تو نہیں دیکھا صرف دیکھنے والوں سے اس شہر کا وجود سنا ہے مگر کیا ہم شک کر سکتے ہیں کہ شاید ان سب نے جھوٹ بولدیا ہوگا یا مثلاً ہمنے عالمگیر بادشاہ کا زمانہ نہیں پایا اور نہ عالمگیر کی شکل دیکھی ہے مگر کیا ہمیں اسبات میں کچھ بھی شبہ ہے کہ عالمگیر چغتائی بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا پس ایسا یقین کیوں حاصل ہوا اسکا جواب یہی ہے کہ صرف سماع کے تواتر سے پس اسمیں کچھ شک نہیں کہ سماع بھی علم الیقین کے مرتبہ تک پہونچاتا ہے نبیوں کی کتابیں اگر سلسلہ سماع میں کچھ خلل نہ رکھتی ہوں وہ بھی ایک سماعی علم کا ذریعہ ہیں لیکن اگر ایک کتاب آسمانی کتاب کہلاکر پھر مثلاً پچاس ساٹھ نسخہ اس کے پائے جائیں اور بعض بعض کے مخالف ہوں تو گو کسی فریق نے یقین بھی کرلیا ہو کہ انمیں سے صرف دو چار صحیح ہیں اور باقی جعلی اور وضعی لیکن محقق کے لئے ایسا یقین جو کسی کامل تحقیقات پر مبنی نہیں بیہودہ ہوگا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ سب کتابیں اپنے تناقض کی وجہ سے ردی اور ناقابل اعتبار قرار دیجائیں گی اور ہرگز جائز نہیں ہوگا کہ ایسے متناقض بیانات کو کسی علم کا ذریعہ ٹھیرایا جائے کیونکہ علم کی یہہ تعریف ہے کہ ایک یقینی معرفت عطا کرے اور مجموعہ تناقضات میں یقینی معرفت کا پایا جانا ممکن نہیں اسجگہ یاد رہے کہ قرآن شریف صرف سماع کی حد تک محدود نہیں ہے کیونکہ اس میں انسانوں کے سمجھانے کے لئے بڑے بڑے معقول دلائل ہیں اور جسقدر عقائد اور اصول اور احکام اُس نے پیش کئے ہیں انہیں سے کوئی بھی ایسا امر نہیں جس میں زبردستی اور تحکم ہو جیسا کہ اس نے خود فرما دیا ہے کہ یہ سب عقائد وغیرہ انسان کی فطرت میں پہلے سے منقوش ہیں اور قرآن شریف کا نام ذکر رکھا ہے جیسا کہ فرماتا ہے هٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ یعنی یہ قرآن بابرکت کوئی نئی چیز نہیں لایا بلکہ جو کچھ انسان کی فطرت اور صحیفۂ قدرت میں بھرا پڑا ہے اس کو یاد دلاتا ہے اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ یعنے یہ دین کوئی بات جبر سے منوانا نہیں چاہتا بلکہ ہر ایک بات کے دلائل پیش کرتا ہے ماسوا اسکے قرآن میں دلوں کو روشن کرنے کے لئے ایک روحانی خاصیت بھی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ یعنے قرآن اپنی خاصیت سے تمام بیماریوں کو دور کرتا ہے اس لئے اسکو منقولی کتاب نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کے معقول دلائل اپنے ساتھ رکھتا ہے اور ایک چمکتا ہوا نور اس میں پایا جاتا ہے ایسا ہی عقلی دلائل جو صحیح مقدمات سے مستنبط ہوئے ہوں بلاشبہ علم الیقین تک

پہونچاتے ہیں اسی کی طرف اللہ جل شانہٗ آیات مندرجہ ذیل میں اشارہ فرماتا ہے جیسا کہ وہ کہتا ہے
إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝
الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ
وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ یعنے جب دانشمند
اور اہل عقل انسان زمین اور آسمان کے اجرام کی بناوٹ میں غور کرتے اور رات دن کی کمی بیشی
کے موجبات اور علل کو نظر عمیق سے دیکھتے ہیں اُنہیں اس نظام پر نظر ڈالنے سے خدا تعالیٰ کے وجود پر
دلیل ملتی ہے پس وہ زیادہ انکشاف کے لئے خدا سے مدد چاہتے ہیں اور اُسکو کھڑے ہوکر اور بیٹھ کر
اور کروٹ پر لیٹ کر یاد کرتے ہیں جس سے اُنکی عقلیں بہت صاف ہو جاتی ہیں پس جب وہ ان
عقلوں کے ذریعہ سے اجرام فلکی اور زمین کی بناوٹ احسن اور ادلی میں فکر کرتے ہیں تو بے اختیار
بول اُٹھتے ہیں کہ ایسا نظام ابلغ اور محکم ہرگز باطل اور بے سود نہیں بلکہ صانع حقیقی کا چہرہ دکھلا رہا
ہے پس وہ الوہیت صانع عالم کا اقرار کر کے یہ مناجات کرتے ہیں کہ یا الٰہی تو اس سے پاک ہے کہ کوئی
تیرے وجود سے انکار کر کے نالایق صفتوں سے تجھے موصوف کرے سو تو ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا
یعنے تجھ سے انکار کرنا عین دوزخ ہے اور تمام آرام اور راحت تجھ میں اور تیری شناخت میں ہے
جو شخص کہ تیری سچی شناخت سے محروم رہا وہ درحقیقت اسی دنیا میں آگ میں ہے۔

ایسا ہی ایک علم کا ذریعہ انسانی کانشنس بھی ہے جسکا نام خدا کی کتاب میں انسانی فطرت
رکھا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا یعنے خدا کی فطرت جسپر لوگ
پیدا کئے گئے ہیں۔ اور وہ نقش فطرت کیا ہے یہی کہ خدا کو واحد لاشریک خالق الکل مرنے اور پیدا
ہونے سے پاک سمجھنا اور ہم کانشنس کو علم الیقین کے مرتبہ پر اس لئے کہتے ہیں کہ گو بظاہر اسمیں
ایک علم سے دوسرے علم کی طرف انتقال نہیں پایا جاتا جیسا کہ دھوئیں کے علم سے آگ کے علم کیطرف انتقال
پایا جاتا ہے لیکن ایک قسم کے باریک انتقال سے یہ مرتبہ خالی نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر ایک چیز میں خدا نے
ایک نامعلوم خاصیت رکھی ہے جو بیان اور تقریر میں نہیں آسکتی لیکن اُس چیز پر نظر ڈالنے اور اُسکا تصور کرنے
سے بلا توقف اس خاصیت کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے غرض وہ خاصیت اس وجود کو ایسی لازم پڑی
ہوتی ہے جیسا کہ آگ کو دھواں لازم ہے مثلاً جب ہم خدا تعالیٰ کی ذات کی طرف توجہ کرتے ہیں کہ کیسی
ہونی چاہیئے۔ آیا خدا ایسا ہونا چاہیئے کہ ہماری طرح پیدا ہو اور ہماری طرح دکھ اُٹھاوے اور ہماری طرح

مرے تو معاً اس تصور سے ہمارا دل دُکھتا اور کانشنس کانپتا ہے اور اس قدر جوش دکھلاتا ہے کہ گویا اس خیال کو دھکے دیتا ہے اور بول اُٹھتا ہے کہ وہ خدا جسکی طاقتوں پر تمام امیدوں کا مدار ہے وہ تمام نقصانوں سے پاک اور کامل اور قوی چاہیئے اور جب ہی کہ خدا کا خیال ہمارے دل میں آتا ہے معاً توحید اور خدا میں دہوئیں اور آگ کیطرح بلکہ اس سے بہت زیادہ ملازمت تامہ کا احساس ہوتا ہے لہذا جو علم ہمیں ہمارے کانشنس کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے وہ علم الیقین کے مرتبہ میں داخل ہے لیکن اسپر ایک اور مرتبہ ہے جو عین الیقین کہلاتا ہے اور اس مرتبہ سے اس طور کا علم مراد ہے کہ جب ہمارے یقین اور اُس چیز میں جسپر کسی نوع کا یقین کیا گیا ہے کوئی درمیانی واسطہ نہ ہو مثلاً جب ہم قوت شامہ کے ذریعہ سے ایک خوشبو یا بدبو کو معلوم کرتے ہیں اور یا ہم قوت ذائقہ کے ذریعہ سے شیریں یا نمکین پر اطلاع پاتے ہیں یا قوت حاسہ کے ذریعہ سے گرم یا سرد کو معلوم کرتے ہیں تو یہ تمام معلومات ہماری عین الیقین کی قسم ہیں داخل ہیں مگر عالم ثانی کے بارے میں ہمارا علم الہیات تب عین الیقین کی حد تک پہونچتا ہے کہ جب خود بلاواسطہ ہم الہام پاویں خدا کی آواز کو اپنے کانوں سے سنیں اور خدا کے صاف اور صحیح کشفوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں ہم بیشک کامل معرفت کے حاصل کرنے کے لیے بلاواسطہ الہام کے محتاج ہیں اور اس کامل معرفت کی ہم اپنے دل میں بھوکھ اور پیاس بھی پاتے ہیں اگر خدا تعالےٰ نے ہمارے لئے پہلے سے اس معرفت کا سامان میسر نہیں کیا تو یہ پیاس اور بھوکھ ہمیں کیوں لگا دی ہے کیا ہم اس زندگی میں جو ہمارے آخرت کے ذخیرہ کے لیئے یہی ایک پیمانہ ہے اسبات پر راضی ہو سکتے ہیں کہ ہم اُس سچے اور کامل اور قادر اور زندہ خدا پر صرف قصوں اور کہانیوں کے رنگ میں ایمان لاویں یا محض عقلی معرفت پر کفایت کریں جو ابتک ناقص اور ناتمام معرفت ہے کیا خدا کے سچے عاشقوں اور حقیقی دلدادوں کا دل نہیں چاہتا کہ اس محبوب کے کلام سے لذت حاصل کریں کیا جنہوں نے خدا کے لیئے تمام دنیا کو برباد کیا دل کو دیا جان کو دیا وہ اس باتپر راضی ہو سکتے ہیں کہ صرف ایک دُھندلی سی روشنی میں کھڑے رہ کر مرتے رہیں اور اُس آفتاب صداقت کا مُنہ نہ دیکھیں کیا یہ سچ نہیں ہے کہ اُس زندہ خدا کا اَنَا الموجود کہنا وہ معرفت کا مرتبہ عطا کرتا ہے کہ اگر دنیا کے تمام فلاسفروں کی خودتراشیدہ کتابیں ایک طرف رکھیں اور ایکطرف انا الموجود خدا کا کہنا تو اسکے مقابل وہ تمام دفتر ہیچ ہیں جو فلاسفر کہلا کر آپ اندھے رہے وہ ہمیں کیا سکھا ئینگے غرض اگر خدا تعالیٰ نے حق کے طالبوں کو کامل معرفت دینے کا ارادہ فرمایا ہے تو ضرور اُس نے اپنے مکالمہ اور مخاطبہ کا طریق

کھلا رکھا ہے۔ اس بارے میں اللہ جلشانہ قرآن شریف میں یہ فرماتا ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنے اے خدا ہمیں وہ استقامت کی راہ بتلا جو راہ اُن لوگوں کی ہے جنپر تیرا انعام ہوا ہے۔ اسجگہ انعام سے مراد الہام اور کشف وغیرہ آسمانی علوم ہیں جو انسان کو براہ راست ملتے ہیں ایساہی ایک دوسری جگہ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ یعنی جو لوگ خدا پر ایمان لاکر پوری پوری استقامت اختیار کرتے ہیں اُنپر خدا تعالیٰ کے فرشتے اُترتے ہیں اور یہ الہام انکو کرتے ہیں کہ تم کچھ خوف اور غم نہ کرو تمہارے لئے وہ بہشت ہے جسکے بارہ میں تمہیں وعدہ دیا گیا ہے سو اس آیت میں بھی صاف لفظوں میں فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ کے نیک بندے غم اور خوف کیوقت خدا سے الہام پاتے ہیں اور فرشتے اُتر کر انکی تسلی کرتے ہیں اور پھر ایک اور آیت میں فرمایا ہے لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ یعنے خدا کے دوستوں کو الہام اور خدا کے مکالمہ کے ذریعہ سے اس دنیا میں خوشخبری ملتی ہے اور آئندہ زندگی میں بھی ملیگی لیکن اسجگہ یاد رہے کہ الہام کے لفظ سے اسجگہ یہ مراد نہیں ہے کہ سوچ اور فکر کی کوئی بات دل میں پڑ جائے جیسا کہ جب شاعر شعر کے بنانے میں کوشش کرتا ہے یا ایک مصرع بنا کر دوسرا سوچتا رہتا ہے تو دوسرا مصرع دل میں پڑتا ہے سو یہ دل میں پڑ جانا الہام نہیں ہے بلکہ یہ خدا کے قانون قدرت کے موافق اپنے فکر اور سوچ کا ایک نتیجہ ہے۔ جو شخص اچھی باتیں سوچتا ہے یا بری باتوں کے لئے فکر کرتا ہے اسکی تلاش کیموافق کوئی بات ضرور اس کے دل میں پڑ جاتی ہے۔ ایک شخص مثلاً نیک اور راستباز آدمی ہے جو سچائی کی حمایت میں چند شعر بناتا ہے اور دوسرا شخص جو ایک گندہ اور پلید آدمی ہے اپنے شعروں میں جھوٹ کی حمایت کرتا ہے اور راستبازوں کو گالیاں نکالتا ہے تو بلاشبہ یہ دونوں کچھ نہ کچھ شعر بنالیں گے بلکہ کچھ تعجب نہیں کہ وہ راستبازوں کا دشمن جو جھوٹ کی حمایت کرتا ہے بباعث دائمی مشق کے اسکا شعر عمدہ ہو سو اگر صرف دل میں پڑ جانیکا نام الہام ہے تو پھر ایک بدمعاش شاعر جو راستبازی اور راستبازوں کا دشمن اور ہمیشہ حق کی مخالفت کے لئے قلم اُٹھاتا اور افتراؤں سے کام لیتا ہے خدا کا ملہم کہلائیگا دنیا میں ناولوں وغیرہ میں جادو بیانیاں پائی جاتی ہیں اور تم دیکھتے ہو کہ اسطرح سراسر باطل مگر مسلسل مضمون لوگوں کے دلوں میں پڑتے ہیں پس کیا ہم انکو الہام کہہ سکتے ہیں بلکہ اگر الہام صرف دل میں بعض باتیں پڑنیکا نام ہے تو ایک چور بھی ملہم کہلا سکتا ہے کیونکہ وہ بسا اوقات فکر کر کے اچھے اچھے طریق نقب زنی کے نکال لیتا ہے اور عمدہ عمدہ تدبیریں ڈاکہ مارنے اور خون

ناحق کرنے کی اسکے دل میں گذر جاتی ہیں تو کیا لائق ہے کہ ہم اُن تمام ناپاک طریقوں کا نام الہام رکھدیں ہرگز نہیں بلکہ یہ اُن لوگوں کا خیال ہے جنکو اب تک اس سچے خدا کی خبر نہیں جو آپ خاص مکالمہ سے دلوں کو تسلی دیتا اور ناواقفوں کو روحانی علوم سے معرفت بخشتا ہے الہام کیا چیز ہے وہ پاک اور قادر خدا کا ایک برگزیدہ بندہ کے ساتھ یا اس کے ساتھ جسکو برگزیدہ کرنا چاہتا ہے ایک زندہ اور باقدرت کلام کیسے ساتھ مکالمہ اور مخاطبہ ہے سو جب یہ مکالمہ اور مخاطبہ کافی اور تسلی بخش سلسلہ کے ساتھ شروع ہو جائے اور اس میں خیالات فاسدہ کی تاریکی نہ ہو اور نہ غیر مکتفی اور چند بے سروپا لفظ ہوں اور کلام لذیذ اور پُرحکمت اور پُرشوکت ہو تو وہ خدا کا کلام ہے جس سے وہ اپنے بندہ کو تسلی دینا چاہتا ہے اور اپنے تئیں اسپر ظاہر کرتا ہے ہاں کبھی ایک کلام محض امتحان کیطور پر ہوتا ہے اور پورا اور بابرکت سامان ساتھ نہیں رکھتا اس میں خدا تعالیٰ کے بندہ کو اسکی ابتدائی حالت میں آزمایا جاتا ہے تا وہ ایک ذرہ الہام کا مزہ چکھکر پھر واقعی طور پر اپنا حال و قال سچے ملہموں کی طرح بناوے یا ٹھوکر کھاوے پس اگر وہ حقیقی راستبازی صدیقوں کی طرح اختیار نہیں کرتا تو اس نعمت کے کمال سے محروم رہجاتا ہے اور صرف بیہودہ لاف زنی اسکے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ کروڑہا نیک بندوں کو الہام ہوتا رہا ہے مگر انکا مرتبہ خدا کے نزدیک ایک درجہ کا نہیں بلکہ خدا کے پاک نبی جو پہلے درجہ پر کمال صفائی سے خدا کا الہام پانیوالے ہیں وہ بھی مرتبہ میں برابر نہیں خدا تعالیٰ فرماتا ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یعنی بعض نبیوں کو بعض نبیوں پر فضیلت ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ الہام محض فضل ہے اور فضیلت کے وجود میں اسکو دخل نہیں بلکہ فضیلت اس صدق اور اخلاص اور وفاداری کے قدر پر ہے جسکو خدا جانتا ہے ہاں الہام بھی اگر اپنی بابرکت شرائط کے ساتھ ہو تو وہ بھی انکا ایک پھل ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر اس رنگ میں الہام ہو کہ بندہ سوال کرتا ہے اور خدا اُسکا جواب دیتا ہے اسی طرح ایک ترتیب کے ساتھ سوال و جواب ہو اور الٰہی شوکت اور نور الہام میں پایا جاوے اور علوم غیب یا معارف صحیحہ پر مشتمل ہو تو وہ خدا کا الہام ہے خدا کے الہام میں یہ ضروری ہے کہ جسطرح ایکدوست دوسرے دوست سے ملکر باہم ہمکلام ہوتا ہے اسی طرح رب اور اس کے بندہ میں ہمکلامی واقعہ ہو اور جب یہ کسی امر میں سوال کرے تو اس کے جواب میں ایک کلام لذیذ فصیح خدا تعالیٰ کی طرف سے جس میں اپنے نفس اور فکر اور غور کا کچھ بھی دخل نہ ہو اور وہ مکالمہ اور مخاطبہ اسکے لئے موہبت ہو جائے تو وہ خدا کا کلام ہے اور ایسا بندہ خدا کی جناب میں عزیز ہے مگر یہ درجہ کہ الہام بطور موہبت ہو اور زندہ اور پاک الہام کا

سلسلہ ایسے بندہ سے خدا کو حاصل ہو اور صفائی اور پاکیزگی کے ساتھ ہو یہ کسیکو نہیں ملتا بجز اُن لوگوں کے جو ایمان اور اخلاص اور اعمال صالح میں ترقی کریں اور نیز اس چیز میں جسکو ہم بیان نہیں کر سکتے۔ سچا اور پاک الہام الوہیت کے بڑے بڑے کرشمے دکھلاتا ہے بارہا ایک نہایت چمکدار نور پیدا ہوتا ہے اور ساتھ اس کے پُر شوکت اور ایک چمکدار الہام آتا ہے اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ ملہم اس ذات سے باتیں کرتا ہے جو زمین و آسمان کا پیدا کرنیوالا ہے دنیا میں خدا کا دیدار یہی ہے کہ خدا سے باتیں کرے مگر اس ہمارے بیان میں انسان کی وہ حالت داخل نہیں ہے جو کسی کی زبان پر بے ٹھکانہ کوئی لفظ یا فقرہ یا شعر جاری ہو اور ساتھ اس کے کوئی مکالمہ اور مخاطبہ نہ ہو بلکہ ایسا شخص خدا کے امتحان میں گرفتار ہے کیونکہ خدا اس طریق سے بھی سُست اور غافل بندوں کو آزماتا ہے کہ کبھی کوئی فقرہ یا عبارت کسی کے دل پر یا زبان پر جاری کی جاتی ہے اور وہ شخص اندھے کی طرح ہو جاتا ہے نہیں جانتا کہ وہ عبارت کہاں سے آئی خدا سے یا شیطان سے سو ایسے فقرات سے استغفار لازم ہے لیکن اگر ایک صالح اور نیک بندہ کو بے حجاب مکالمہ الٰہی شروع ہو جائے اور مخاطبہ اور مکالمہ کے طور پر ایک کلام روشن لذیذ پُر معنے پُر حکمت پوری شوکت کے ساتھ اُسکو سنائی دے اور کم سے کم بارہا اسکو ایسا اتفاق ہوا ہو کہ خدا میں اور اُسمیں عین بیداری میں دس مرتبہ سوال و جواب ہوا ہو اس نے سوال کیا خدا نے جواب دیا پھر اُسی وقت عین بیداری میں اُسنے کوئی اور عرض کی اور خدا نے اسکا بھی جواب دیا پھر گذارش عاجزانہ کی خدا نے اُسکا بھی جواب عطا فرمایا ایسا ہی دس مرتبہ تک خدا میں اور اُسمیں باتیں ہوتی رہیں اور خدا نے بارہا ان مکالمات میں اُسکی دعائیں منظور کی ہوں عمدہ عمدہ معارف پر اُسکو اطلاع دی ہو آنیوالے واقعات کی اُسکو خبر دی ہو اور اپنے برہنہ مکالمہ سے بار بار کے سوال و جواب میں اسکو مشرف کیا ہو تو ایسے شخص کو خدا تعالیٰ کا بہت شکر کرنا چاہیئے اور سب سے زیادہ خدا کی راہ میں فدا ہونا چاہیئے کیونکہ خدا نے محض اپنے کرم سے اپنے تمام بندوں میں سے اسے چُن لیا اور اُن صدیقوں کا اُسکو وارث بنا دیا جو اس سے پہلے گذر چکے ہیں یہ نعمت نہایت ہی نادر الوقوع اور خوش قسمتی کی بات ہے جسکو ملی اس کے بعد جو کچھ ہے وہ ہیچ ہے اس مرتبہ اور اس مقام کے لوگ اسلام میں ہمیشہ ہوتے رہے ہیں اور ایک اسلام ہی ہے جس میں خدا بندہ سے قریب ہو کر اس سے باتیں کرتا اور اسکے اندر بولتا ہے وہ اُسکے دل میں اپنا تخت بناتا اور اسکے اندر سے اُسے آسمان کی طرف کھینچتا ہے اور اُسکو وہ سب نعمتیں عطا فرماتا ہے جو پہلوں کو دی گئیں افسوس

اندھی دنیا نہیں جانتی کہ انسان نزدیک ہوتا ہوتا کہاں تک پہونچ جاتا ہے وہ آپ تو قدم نہیں اُٹھاتی اور جو قدم اُٹھائے تو یا تو اسکو کافر ٹھیرایا جاتا ہے اور یا اسکو معبود ٹھیرا کر خدا کی جگہ دیجاتی ہے یہ دونوں ظلم ہیں ایک افراط سے ایک تفریط سے پیدا ہوا مگر عقلمند کو چاہیئے کہ وہ کم ہمت نہ ہو اور اس مقام اور اس مرتبہ کا انکاری نہ رہے اور صاحب اس مرتبہ کی کسر شان نہ کرے اور نہ اسکی پوجا شروع کر دے اس مرتبہ پر خدا تعالیٰ وہ تعلقات اس بندہ سے ظاہر کرتا ہے کہ گویا اپنی الوہیت کی چادر اسپر ڈالدیتا ہے اور ایسا شخص خدا کے دیکھنے کا آئینہ بنجاتا ہے یہی بھید ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مجھے دیکھا اُس نے خدا کو دیکھ لیا غرض یہ بندوں کے لئے انتہائی تنبیہ ہے اور اسپر تمام سلوک ختم ہو جاتے ہیں اور پوری تسلی ملتی ہے میں بنی نوع پر ظلم کروں گا اگر میں اسوقت ظاہر نہ کروں کہ وہ مقام جسکی میں نے یہ تعریفیں کیں ہیں اور وہ مرتبہ مکالمہ اور مخاطبہ کا جس کی میں نے اسوقت تفصیل بیان کی وہ خدا کی عنایت نے مجھے عنایت فرمایا ہے تا میں اندھوں کو بینائی بخشوں اور ڈھونڈھنے والوں کو اس گم گشتہ کا پتہ دوں اور سچائی قبول کرنے والوں کو اُس پاک چشمہ کی خوشخبری سناؤں جسکا تذکرہ بہتوں میں ہے اور پانیوالے تھوڑے ہیں میں سامعین کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ خدا جسکے ملنے میں انسان کی نجات اور دائمی خوشحالی ہے وہ بجز قرآن شریف کی پیروی کے ہرگز نہیں ملسکتا کاش جو میں نے دیکھا ہے لوگ دیکھیں اور جو میں نے سُنا ہے وہ سُنیں اور قصوں کو چھوڑیں اور حقیقت کیطرف دوڑیں وہ کامل علم کا ذریعہ جس سے خدا نظر آتا ہے وہ میل اُتارنیوالا پانی جس سے تمام شکوک دور ہو جاتے ہیں وہ آئینہ جس سے اس برتر ہستی کا درشن ہو جاتا ہے خدا کا وہ مکالمہ اور مخاطبہ ہے جسکا میں ابھی ذکر کر چکا ہوں جسکی روح میں سچائی کی طلب ہے وہ اُٹھے اور تلاش کرے میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر روحوں میں سچی تلاش پیدا ہو اور دلوں میں سچی پیاس لگ جائے تو لوگ اس طریق کو ڈھونڈیں اور اس راہ کی تلاش میں لگیں مگر یہ راہ کس طریق سے کھلے گی اور حجاب کس دوا سے اُٹھے گا میں سب طالبوں کو یقین دلاتا ہوں کہ صرف **اسلام** ہی ہے جو اس راہ کی خوشخبری دیتا ہے اور دوسری قومیں تو خدا کے الہام پر مدت سے مُہر لگا چکی ہیں سو یقیناً سمجھو کہ یہ خدا کیطرف سے مُہر نہیں بلکہ محرومی کی وجہ سے انسان ایک حیلہ پیدا کر لیتا ہے اور یقیناً سمجھو کہ جسطرح یہ ممکن نہیں کہ ہم بغیر آنکھوں کے دیکھ سکیں یا بغیر کانوں کے سُن سکیں یا بغیر زبان کے بول سکیں اسیطرح یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ بغیر قرآن کے اس پیارے محبوب کا مُنہ دیکھ سکیں۔

میں جوان تہا اب بوڑہا ہوا مگر میں نے کوئی نہ پایا جس نے بغیر اس پاک چشمہ کے اس کہلی کہلی معرفت کا پیالہ پیا ہو۔

اے عزیزو اے پیارو کوئی انسان خدا کے ارادوں میں اس سے لڑائی نہیں کر سکتا یقیناً سمجہو کہ کامل علم کا ذریعہ خدا تعالیٰ کا الہام ہے جو خدا تعالیٰ کے پاک نبیوں کو ملا پہر بعد اسکے اس خدا نے جو دریائے فیض ہے یہ ہرگز نہ چاہا کہ آئیندہ اس الہام کو مہر لگا دے اور اسطرح پر دنیا کو تباہ کرے بلکہ اس کے الہام اور مکالمہ اور مخاطبہ کے ہمیشہ دروازے کہلے ہیں۔ ہاں انکو انکی راہوں سے ڈہونڈو تب وہ آسانی سے تمہیں ملیں گے وہ زندگی کا پانی آسمان سے آیا اور مناسب مقام پر ٹہیرا اب تمہیں کیا کرنا چاہیے تا تم اس پانی کو پی سکو یہی کرنا چاہیے کہ افتان و خیزاں اس چشمہ تک پہونچو پہر اپنا مُنہ اس چشمہ کے آگے رکہدو تا اس زندگی کے پانی سے سیراب ہو جاؤ انسان کی تمام سعادت اسی میں ہے کہ جہاں روشنی کا پتہ ملے اسیطرف دوڑے اور جہاں اس گم گشتہ دوست کا نشان پیدا ہو اسی راہ کو اختیار کرے دیکہتے ہو کہ ہمیشہ آسمان سے روشنی اُترتی اور زمین پر پڑتی ہے اسیطرح ہدایت کا سچا نور آسمان سے ہی اترتا ہے انسان کی اپنی ہی باتیں اور اپنی ہی اٹکلیں سچا گیان اسکو بخش نہیں سکتیں کیا تم خدا کو بغیر خدا کی تجلی کے پا سکتے ہو کیا تم بغیر اس آسمانی روشنی کے اندہیرے میں دیکہہ سکتے ہو اگر دیکہہ سکتے ہو تو شائد اس جگہ بہی دیکہہ لو مگر ہماری آنکہیں گو بینا ہوں تاہم آسمانی روشنی کی محتاج ہیں اور ہمارے کان گو شنوا ہوں تاہم اس ہوا کے حاجتمند ہیں جو خدا کی طرف سے چلتی ہے وہ خدا سچا خدا نہیں ہے جو خاموش ہے اور سارا مدار ہماری اٹکلوں پر ہے بلکہ کامل اور زندہ خدا وہ ہے جو اپنے وجود کا آپ پتہ دیتا رہا ہے اور اب بہی اُس نے یہی چاہا ہے کہ آپ اپنے وجود کا پتہ دیوے آسمانی کہڑکیاں کہلنے کو ہیں عنقریب صبح صادق ہونے والی ہے مبارک وہ جو اُٹہ بیٹہیں اور اب سچے خدا کو ڈہونڈیں وہی خدا جسپر کوئی گردش اور مصیبت نہیں آتی جسکے جلال کی چمک پر کبہی حادثہ نہیں پڑتا قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنے خدا ہی ہے جو ہر دم آسمان کا نور اور زمین کا نور ہے اُسی سے ہر ایک جگہ روشنی پڑتی ہے آفتاب کا وہی آفتاب ہے زمین کے تمام جانداروں کی وہی جان ہے سچا زندہ خدا وہی ہے مبارک وہ جو اسکو قبول کرے۔

تیسرا علم کا ذریعہ وہ امور ہیں جو حق الیقین کے مرتبہ پر ہیں اور وہ تمام شدائد اور مصائب اور تکالیف ہیں جو خدا کے نبیوں اور راستبازوں کو مخالفوں کے ہاتہہ سے یا آسمانی قضا و قدر سے

پہونچتی ہیں اور اس قسم کے دکھوں اور تکلیفوں سے وہ تمام شرعی ہدایتیں جو محض علمی طور پر انسان کے دل میں تھیں اسپر وارد ہو کر عملی رنگ میں آجاتی ہیں اور پھر عمل کی زمین سے نشو و نما پاکر کمال تام تک پہونچ جاتی ہیں اور عمل کرنیوالوں کا اپنا ہی وجود ایک نسخہ مکمل خدا کی ہدایتوں کا ہو جاتا ہے اور وہ تمام اخلاق عفو اور انتقام اور صبر اور رحم وغیرہ جو صرف دماغ اور دل میں بھرے ہوئے تھے اب تمام اعضا کو عملی مزاولت کی برکت سے اُنسے حصہ ملتا ہے اور وہ تمام جسم پر وارد ہو کر اپنی نقش و نگار اُسپر جما دیتے ہیں جیسا کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ط أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝ لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا ط وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ یعنے ہم تمہیں خوف اور فاقہ اور مال کے نقصان اور جان کے نقصان اور کوشش ضائع جانے اور اولاد کے فوت ہونے سے آزمائیں گے یعنے یہ تمام تکلیفیں قضا و قدر کیطور پر یا دشمن کے ہاتھ سے تمہیں پہونچیں گی سو اُن لوگوں کو خوشخبری ہو جو مصیبت کے وقت صرف یہ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے ہیں اور خدا کی طرف رجوع کریں گے ان لوگوں پر خدا کا درود اور رحمت ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت کے کمال تک پہونچگئے ہیں یعنی محض اس علم میں کچھ شرف اور بزرگی نہیں جو صرف دماغ اور دل میں بھرا ہوا ہو بلکہ حقیقت میں علم وہ ہی کہ دماغ سے اُتر کر تمام اعضا اس سے متادب اور رنگین ہو جائیں اور حافظہ کی یادداشتیں عملی رنگ میں دکھائی دیں سو علم کے مستحکم کرنے اور اسکے ترقی دینے کا یہ بڑا ذریعہ ہے کہ عملی طور پر اسکی نقوش اپنے اعضا میں جمالیں کوئی ادنی علم بھی عملی مزاولت کے بغیر اپنے کمال کو نہیں پہونچتا مثلاً مُدت دراز سے ہمارے علم میں یہ بات ہے کہ روٹی پکانا نہایت ہی سہل بات ہے اور اس میں کوئی زیادہ باریکی نہیں صرف اتنا ہے کہ آٹا گوندہ کر اور بقدر ایک ایک روٹی کے اس آٹے کے پیڑے بنادیں اور انکو دونوں ہاتھوں کے باہم ملانے سے چوڑی کر کے توے پر ڈالدیں اور اِدہر اُدہر پھیر کر اور آگ پر سینک کر رکھ لیں روٹی پک جائیگی یہ تو ہماری صرف علمی لاف و گزاف ہے لیکن جب ہم ناتجربہ کاری کی حالت میں پکانے لگیں گے تو اول تو ہمپر یہی مصیبت پڑیگی کہ آٹے کو اس کے مناسب قوام پر

رکھہ سکیں بلکہ یا تو پتھر سا رہے گا اور یا پتلا ہو کر گلگلوں کے لایق ہو جائیگا اور اگر مر کر اور تھک تھک کر گوندہ بھی لیا تو روٹی کا یہ حال ہوگا کہ کچھہ جلے گی اور کچھہ کچی رہیگی بیچ میں ٹکیا رہے گی اور کئی طرف سے کان نکلے ہوئے ہونگے حالانکہ پچاس برس تک ہم پکتی ہوئی دیکھتے رہے غرض مجرد علم کی شامت سے جو عملی مشق کے نیچے نہیں آیا کئی سیر آٹے کا نقصان کرینگے پہر جبکہ ادنے ادنے سی بات میں ہمارے علم کا یہ حال ہے تو بڑے بڑے امور میں بجز عملی مزاولت اور مشق کے صرف علم پر کیونکر بہروسہ کہیں سو خدا تعالےٰ ان آیتوں میں یہ سکہاتا ہی کہ جو مصیبتیں میں تم پر ڈالتا ہوں وہ بہی علم اور تجربہ کا ذریعہ ہیں یعنی اُنسے تمہارا علم کامل ہوتا ہی اور پہر آگے فرماتا ہے کہ تم اپنے مالوں اور جانوں میں بہی آزمائے جاؤگے لوگ تمہارے مال لوٹیں گے تمہیں قتل کریں گے اور تم یہودیوں اور عیسائیوں اور مشرکوں کے ہاتھہ سے بہت ہی ستائے جاؤگے وہ بہت کچھہ ایذا کی باتیں تمہارے حق میں کہیں گے پس اگر تم صبر کروگے اور بیجا باتوں سے بچو گے تو یہ ہمت اور بہادری کا کام ہوگا۔ ان تمام آیات کا مطلب یہ ہی کہ بابرکت علم وہی ہوتا ہی جو عمل کے مرتبہ میں اپنی چمک دکھا دے اور منحوس علم وہ ہی جو صرف علم کی حد تک رہی کبھی عمل تک نوبت نہ پہونچی۔

جاننا چاہیئے کہ جسطرح مال تجارت سے بڑہتا ہے اور پہولتا ہے ایسا ہی علم عملی مزاولت سے انتہائے روحانی کمال کو پہونچتا ہے۔ سو علم کو کمال تک پہونچانیکا بڑا ذریعہ عملی مزاولت ہی نزادلت سے علم میں نور آجاتا ہے اور یہ بہی سمجھو کہ علم کا حق الیقین کے مرتبہ تک پہونچنا اور کیا ہوتا ہی یہی تو ہے کہ عملی طور پر ہر ایک گوشہ اسکا آزمایا جائے چنانچہ اسلام میں ایسا ہی ہوا جو کچھہ خدا تعالیٰ نے قرآن کے ذریعہ سے لوگوں کو سکہایا انکو موقعہ دیا کہ عملی طور پر اس تعلیم کو چمکا دیں اور اس کے نور سے پُر ہو جاویں اسی غرض سے خدا تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح کو دو حصہ پر منقسم کر دیا ایک حصہ دکہوں اور مصیبتوں اور تکلیفوں کا اور دوسرا حصہ فتحیابی کا تا مصیبتوں کیوقت میں وہ خلق ظاہر ہوں جو مصیبتوں کیوقت ظاہر ہوتے ہیں اور فتح اور اقتدار کے وقت میں وہ خلق ثابت ہوں جو بغیر اقتدار کے ثابت نہیں ہوتے سو ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں قسم کے اخلاق دونوں زمانوں اور دونوں حالتوں کے وارد ہونے سے کمال وضاحت سے ثابت ہو گئے چنانچہ وہ مصیبتوں کا زمانہ جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تیرہ برس تک مکہ معظمہ میں شامل حال رہا اس زمانہ کی سوانح پڑہنے سے نہایت واضح طور پر معلوم ہوتا ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

وہ اخلاق جو مصیبتوں کے وقت کامل راستباز کو دکھلانے چاہیئے یعنے خدا پر توکل رکھنا اور جزع فزع سے کنارہ کرنا اور اپنے کام میں سست نہ ہونا اور کسی کے رعب سے نہ ڈرنا ایسے طور پر دکھلا دیئے جو کفار ایسی استقامت کو دیکھکر ایمان لائے اور شہادت دی کہ جبتک کسی کا پورا بھروسا خدا پر نہ ہو تو اس استقامت اور اس طور سے دکھوں کی برداشت نہیں کر سکتا۔

اور پھر جب دوسرا زمانہ آیا یعنے فتح اور اقتدار اور ثروت کا زمانہ تو اس زمانہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق عفو اور سخاوت اور شجاعت کے ایسے کمال کے ساتھ صادر ہوئے جو ایک گروہ کثیر کفار کا انہیں اخلاق کو دیکھکر ایمان لایا دکھ دینے والوں کو بخشا اور شہر سے نکالنے والوں کو امن دیا انکے محتاجوں کو مال سے مالا مال کر دیا اور قابو پاکر اپنے بڑے بڑے دشمنوں کو بخش دیا چنانچہ بہت سے لوگوں نے آپکے اخلاق کو دیکھکر گواہی دی کہ جب تک کوئی خدا کی طرف سے اور حقیقۃً راستباز نہ ہو یہ اخلاق ہرگز دکھا نہیں سکتا یہی وجہ ہے کہ آپکے دشمنوں کے پرانے کینے یک لخت دور ہو گئے آپکا بڑا بھاری خلق جسکو آپنے ثابت کر کے دکھلا دیا وہ خلق تھا جو قرآن شریف میں ذکر فرمایا گیا ہے اور وہ یہ ہے قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنے انکو کہدے کہ میری عبادت اور میری قربانی اور میرا مرنا اور میرا جینا خدا کی راہ میں ہے یعنے اسکا جلال ظاہر کرنے کے لئے اور نیز اسکے بندوں کے آرام دینے کے لئے ہے تا میرے مرنے سے انکو زندگی حاصل ہو اسجگہ جو خدا کی راہ میں اور بندوں کی بھلائی کے لئے مرنیکا ذکر کیا گیا ہے اس سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ آپنے نعوذ باللہ جاہلوں یا دیوانوں کی طرح درحقیقت خودکشی کا ارادہ کر لیا تھا اس وہم سے کہ اپنے تئیں کسی آلہ قتل کے ذریعہ سے ہلاک کر دینا اوروں کو فائدہ پہونچائیگا بلکہ آپ ان بیہودہ باتوں کے سخت مخالف تھے اور قرآن ایسی خودکشی کے مرتکب کو سخت مجرم اور قابل سزا ٹھیراتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ یعنے خودکشی نہ کرو اور اپنے ہاتھوں سے اپنی موت کا باعث نہ ٹھیرو اور یہ ظاہر ہے کہ اگر مثلاً خالد کے پیٹ میں درد ہو اور زید اسپر رحم کھا کے اپنا سر پھوڑے تو زید نے خالد کے حق میں کوئی نیکی کا کام نہیں کیا بلکہ اپنے سر کو احمقانہ حرکت سے ناحق پھوڑا نیکی کا کام تب ہوتا کہ جب زید خالد کی خدمت میں مناسب اور مفید طریق کے ساتھ سرگرم رہتا اور اس کے لئے عمدہ دوائیں میسر کرتا اور طبابت کے قواعد کے موافق اسکا علاج کرتا مگر اس کے سر کے پھوڑنے سے زید کو تو کوئی فائدہ نہ پہونچا ناحق اس نے اپنے وجود کے ایک شریف عضو کو دکھ پہونچایا غرض اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے

واقعی ہمدردی اور محنت اٹھانے سے بنی نوع کی رہائی کے لئے جان کو وقف کر دیا تھا اور دعا کے ساتھ اور تبلیغ کے ساتھ اور ان کے جور و جفا اٹھانے کے ساتھ اور ہر ایک مناسب اور حکیمانہ طریق کے ساتھ اپنی جان اور اپنے آرام کو اس راہ میں فدا کر دیا تھا جیسا کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ کیا تو اس غم اور اس سخت محنت میں جو لوگوں کے لئے اٹھا رہا ہے اپنے تئیں ہلاک کر دیگا اور کیا ان لوگوں کے لئے جو حق کو قبول نہیں کرتے تو حسرتیں کھا کھا کر اپنی جان دیگا سو قوم کی راہ میں جان دینے کا حکیمانہ طریق یہی ہے کہ قوم کی بھلائی کے لئے قانون قدرت کے مفید راہوں کے موافق اپنی جان پر سختی اٹھاویں اور مناسب تدبیروں کے بجا لانے سے اپنی جان اس پر فدا کر دیں نہ یہ کہ قوم کو سخت بلا یا گمراہی میں دیکھکر اور خطرناک حالتیں پا کر اپنے سر پر پتھر مار لیں یا دو تین رتی اسٹرکینا کھا کر اس جہان سے رخصت ہو جائیں اور پھر گمان کریں کہ ہم نے اپنی اس حرکت بیجا سے قوم کو نجات دیدی ہے یہ مردوں کا کام نہیں ہے زنانہ خصلتیں ہیں اور بے حوصلہ لوگوں کا ہمیشہ سے یہی طریق ہے کہ مصیبت کو قابل برداشت نہ پا کر جھٹ پٹ خودکشی کیطرف دوڑتے ہیں ایسی خودکشی کی گو بعد میں کتنی ہی تاویلیں کی جائیں مگر یہ حرکت بلاشبہ عقل اور عقلمندوں کا ننگ ہے مگر ظاہر ہے کہ ایسے شخص کا صبر اور دشمن کا مقابلہ نہ کرنا معتبر نہیں ہے جسکو انتقام کا موقعہ ہی نہ ملا کیونکہ کیا معلوم ہے کہ اگر وہ انتقام پر قدرت پاتا تو کیا کچھ کرتا جب تک انسان پر وہ زمانہ نہ آوے جو ایک مصیبتوں کا زمانہ اور ایک مقدرت اور حکومت اور ثروت کا زمانہ ہو اسوقت تک اس کے سچے اخلاق ہرگز ظاہر نہیں ہو سکتے صاف ظاہر ہے کہ جو شخص صرف کمزوری اور ناداری اور بے اقتداری کی حالت میں لوگوں کی ماریں کھاتا مر جاوے اور اقتدار اور حکومت اور ثروت کا زمانہ پاوے اسکے اخلاق میں سے کچھ بھی ثابت نہوگا اور اگر کسی میدان جنگ میں حاضر نہیں ہوا تو یہ بھی ثابت نہیں ہوگا کہ وہ دل کا بہادر تھا یا بزدل ہوگا اسکے اخلاق کی نسبت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ ہم نہیں جانتے ہمیں کیا معلوم ہے کہ اگر وہ اپنے دشمنوں پر قدرت پاتا تو انسے کیا سلوک بجا لاتا اور اگر وہ دولتمند ہو جاتا تو اس دولت کو جمع کرتا یا لوگوں کو دیتا اور اگر وہ کسی میدان جنگ میں آتا تو دم دبا کر بھاگ جاتا یا بہادروں کیطرح ہاتھ دکھاتا مگر خدا کی عنایت اور فضل نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ سلم کو ان اخلاق کے ظاہر کرنے کا موقع دیا چنانچہ سخاوت اور شجاعت اور حلم اور عفو اور عدل اپنے اپنے موقع پر ایسے کمال سے ظہور

ہیں آئے کہ صفحہ دنیا میں اسکی نظیر ڈھونڈھنا لاحاصل ہے اپنے دونوں زمانوں ضعف اور قدرت اور ناداری اور ثروت میں تمام جہان کو دکھلا دیا کہ وہ ذات پاک کیسی اعلیٰ درجہ کے اخلاق کی جامع تھی اور کوئی انسانی خلق اخلاق فاضلہ میں سے ایسا نہیں ہے جو اس کے ظاہر ہونے کے لئے آپ کو خدا تعالیٰ نے ایک موقعہ نہ دیا شجاعت ۔ سخاوت ۔ استقلال ۔ عفو ۔ حلم ۔ وغیرہ وغیرہ تمام اخلاق فاضلہ ایسی طور پر ثابت ہو گئے کہ دنیا میں اسکی نظیر کا تلاش کرنا طلب محال ہے ہاں یہ سچ ہے کہ جنہوں نے ظلم کو انتہا تک پہونچا دیا اور اسلام کو نابود کرنا چاہا خدا نے انکو بھی بے سزا نہیں چھوڑا کیونکہ انکو بے سزا چھوڑنا گویا راستبازوں کو اُن کے پیروں کے نیچے ہلاک کرنا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑائیوں کی ہرگز یہ غرض نہ تھی کہ خواہ نخواہ لوگوں کو قتل کیا جائے وہ اپنے باپ دادا کے ملک سے نکالے گئے تھے اور بہت سے مسلمان مرد اور عورتیں بے گناہ شہید کئے گئے تھے اور ابھی ظالم ظلم سے باز نہیں آتے تھے اور اسلام کی تعلیم کو روکتے تھے لہذا خدا کے قانون حفاظت نے یہ چاہا کہ مظلوموں کو بالکل نابود ہونے سے بچالے سو جنہوں نے تلوار اٹھائی تھی اُنہیں کے ساتھ تلوار کا مقابلہ ہوا ۔ غرض قتل کرنے والوں کا فتنہ فرو کرنے کے لئے بطور مدافعت شر کے وہ لڑائیاں تھیں اور اسوقت ہوئیں جبکہ ظالم طبع لوگ اہل حق کو نابود کرنا چاہتے تھے اس حالت میں اگر اسلام اس حفاظت خود اختیاری کو عمل میں نہ لاتا تو ہزاروں بچے اور عورتیں بے گناہ قتل ہو کر آخر اسلام نابود ہو جاتا یاد رہے کہ ہمارے مخالفین کی یہ بڑی زبردستی ہے کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ الہامی ہدایت ایسی ہونی چاہیئے جسکے کسی مقام اور کسی محل میں دشمنوں کے مقابلہ کی تعلیم نہ ہو اور ہمیشہ حلم اور نرمی کے پیرایہ میں اپنی محبت اور رحمت کو ظاہر کرے ایسے لوگ اپنی دانست میں خدائے عزوجل کی بڑی تعظیم کر رہے ہیں کہ جو اسکی تمام صفات کاملہ کو صرف نرمی اور ملائمت پر ہی ختم کرتے ہیں لیکن اس معاملے میں فکر اور غور کرنے والوں پر بآسانی کھل سکتا ہے کہ یہ لوگ بڑی موٹی اور فاش غلطی میں مبتلا ہیں خدا کے قانون قدرت پر نظر ڈالنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کے لئے وہ رحمت محض تو ضرور ہے مگر وہ رحمت ہمیشہ اور ہر حال میں نرمی اور ملائمت کے رنگ میں ظہور پذیر نہیں ہوتی بلکہ وہ سراسر رحمت کے تقاضا سے طبیب حاذق کیطرح کبھی شربت شیریں ہمیں پلاتا ہے اور کبھی دوائی تلخ دیتا ہے اسکی رحمت نوع انسان پر اس طرح وارد ہوتی ہے جیسے ہم میں سے ایک شخص اپنے تمام وجود پر رحمت رکھتا ہے اس بات میں

کسی کو شک نہیں ہو سکتا کہ ہر ایک فرد ہم میں سے اپنے سارے وجود سے پیار رکھتا ہے اور اگر کوئی ہمارے ایک بال کو اکھاڑنا چاہے تو ہم اس پر سخت ناراض ہوتے ہیں لیکن باوصف اسکے کہ ہماری محبت جو ہم اپنے وجود سے رکھتے ہیں ہمارے تمام وجود میں بٹی ہوئی ہے اور تمام اعضا ہمارے لئے پیارے ہیں ہم کسی کا نقصان نہیں چاہتے مگر پھر بھی یہ بات ببداہت ثابت ہے کہ ہم اپنے تمام اعضا سے ایک ہی درجہ کی اور یکساں محبت نہیں رکھتے بلکہ اعضا رئیسہ و شریفہ کی محبت جنپر ہمارے مقاصد کا بہت کچھ مدار ہے ہمارے دلوں پر غالب ہوتی ہے ایسا ہی ہماری نظر میں ایک ہی عضو کی محبت کی نسبت مجموعہ اعضا کی محبت .... بہت بڑھکر ہوتی ہے پس جب کبھی ہمارے لئے کوئی ایسا موقعہ آپڑتا ہے کہ ایک عضو کا بچاؤ ادنیٰ درجہ کے عضو کے زخمی کرنے یا کاٹنے یا توڑنے پر موقوف ہوتا ہے تو ہم جان کے بچانے کے لئے بلا تامل اسی عضو کے زخمی کرنے یا کاٹنے پر مستعد ہو جاتے ہیں اور گو اس وقت ہمارے دل میں یہ رنج بھی ہوتا ہے کہ ہم اپنے ایک پیارے عضو کو زخمی کرتے یا کاٹتے ہیں مگر اس خیال سے کہ اس عضو کا فساد کسی دوسرے شریف عضو کو بھی ساتھ ہی تباہ نہ کرے ہم کاٹنے کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں پس اسی مثال سے سمجھ لینا چاہیے کہ خدا بھی جب دیکھتا ہے کہ اس کے راستباز باطل پرستوں کے ہاتھ سے ہلاک ہوتے ہیں اور فساد پھیلتا ہے تو راستبازوں کی جان کے بچاؤ اور فساد کے فرو کرنے کے لئے مناسب تدبیر ظہور میں لاتا ہے خواہ آسمان سے خواہ زمین سے اس لئے کہ وہ جیسا کہ رحیم ہے ویسا ہی حکیم ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

حضرت مسیح کا دس گمشدہ اسرائیلی قوموں کیطرف جانا

قرآن شریف اور حدیث کی شہادت

اگرچہ عیسائی کہہ سکتے ہیں کہ وہ قرآن شریف کی کسی آیت یا کسی حدیث کو اپنے لئے حجت

نہیں سمجھ سکتے لیکن ہم نے محض اس غرض سے انکو لکہا ہی کہ تا عیسائیوں کو قرآن شریف اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ معلوم ہو اور اُنپر یہ حقیقت کھلے کہ کیونکر وہ سچائیاں جو صدہا برس کے بعد اب معلوم ہوئی ہیں وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم نے پہلے سے بیان کر دی ہیں چنانچہ اُنہیں سے کسیقدر ذیل میں لکھتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شُبّہ لہم الآیہ وما قتلوہ یقیناً الآیہ یعنی یہودیوں نے نہ حضرت مسیح کو درحقیقت قتل کیا اور نہ بذریعہ صلیب ہلاک کیا بلکہ انکو محض ایک شبہ پیدا ہوا کہ گویا حضرت عیسیٰ صلیب پر فوت ہو گئے ہیں اور اُن کے پاس وہ دلائل نہیں ہیں جنکی وجہ سے اُنکے دل اسبات پر مطمئن ہو سکیں کہ یقیناً حضرت مسیح علیہ السلام کی صلیب پر جان نکل گئی تہی۔

اِن آیات میں اللہ تعالےٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اگرچہ یہ سچ ہے کہ بظاہر مسیح صلیب پر کہینچا گیا اور اُسکے مارنیکا ارادہ کیا گیا مگر یہ محض ایک دہوکا ہی کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے ایسا خیال کر لیا کہ درحقیقت حضرت مسیح علیہ السلام کی جان صلیب پر نکل گئی تھی بلکہ خدا نے ایسے اسباب پیدا کر دئے جنکی وجہ سے وہ صلیبی موت سے بچ رہا۔ اب انصاف کرنے کا مقام ہے کہ جو کچھہ قرآن کریم نے یہود اور نصاریٰ کے برخلاف فرمایا تہا آخر کار وہی بات سچی نکلی اور اس زمانہ کی اعلیٰ درجہ کی تحقیقات سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت مسیح درحقیقت صلیبی موت سے بچائے گئے تہے۔ کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ ہمیشہ یہودی اس بات کا جواب دینے سے قاصر رہے کہ کیونکر حضرت مسیح علیہ السلام کی جان بغیر ہڈیاں توڑنے کے صرف دو تین گھنٹہ میں نکل گئی۔ اسی وجہ سے بعض یہودیوں نے ایک اور بات بنائی ہے کہ ہم نے مسیح کو تلوار سے قتل کر دیا تہا۔ حالانکہ یہودیوں کی پورانی تاریخ کے رو سے مسیح کو تلوار کے ذریعہ سے قتل کرنا ثابت نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ مسیح کے بچانے کے لئے اندہیرا ہوا بہونچال آیا پلاطوس کی بیوی کو خواب آئی سبت کے دن کی رات قریب آ گئی جسمیں مصلوبوں کو صلیب پر رکھنا روا نہ تہا۔ حاکم کا دل بوجہ ہولناک خواب کے مسیح کے چھوڑنے کے لئے متوجہ ہوا۔ یہ تمام واقعات خدا نے اس لئے ایک ہی دفعہ پیدا کر دیئے کہ تا مسیح کی جان بچ جائے۔ اس کے علاوہ مسیح کو غشی کیحالت میں کر دیا کہ تا ہر ایک کو مردہ معلوم ہو۔ اور یہودیوں پر اسوقت ہیبت ناک نشان بہونچال وغیرہ کے دکہلا کر بزدلی اور خوف اور عذاب کا

اندیشہ طاری کر دیا - اور یہ ڈر کہ اسکے علاوہ تہا کہ سبت کی رات میں لاشیں صلیب پر نہ رہجائیں - پھر یہ بھی ہوا کہ یہودیوں نے مسیح کو غشی میں دیکھکر سمجھ لیا کہ فوت ہوگیا - اندھیرے اور بہونچال اور گھبراہٹ کا وقت تہا - گھروں کا بھی انکو فکر پڑا کہ شاید اس بہونچال اور اندھیرے سے بچوں پر کیا گذرتی ہوگی اور یہ دہشت بھی دلوں پر غالب ہوئی کہ اگر یہ شخص کاذب اور کافر تہا جیسا کہ ہم نے دلمیں سمجہا ہے تو اسکی اس دُکھ دینے کے وقت ایسے ہولناک آثار کیوں ظاہر ہوئے ہیں جو اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئے لہذا انکے دل بے قرار ہوکر اس لائق نہ رہے کہ وہ مسیح کو اچھی طرح دیکھتے کہ آیا مر گیا یا کیا حال ہے - مگر درحقیقت یہ سب امور مسیح کے بچانے کے لئے خدائی تدبیریں تھیں - اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے ولکن شبہ لھم - یعنے یہود نے مسیح کو جان سے مارا نہیں ہے لیکن خدا نے انکو شبہ میں ڈالدیا کہ گویا جان سے ماردیا ہے اس سے راستبازوں کو خدا تعالیٰ کے فضل پر بڑی امید بڑہتی ہے کہ جسطرح اپنے بندوں کو چاہے بچالے -

اور قرآن شریف میں ایک یہ بھی آیت حضرت مسیح کے حق میں ہے - وجیھا فی الدنیا والآخرۃ ومن المقربین - اسکا ترجمہ یہ ہے کہ دنیا میں بھی مسیح کو اسکی زندگی میں وجاہت یعنے عزت اور مرتبہ اور عام لوگوں کی نظر میں عظمت اور بزرگی ملے گی اور آخرت میں بھی - اب ظاہر ہے کہ حضرت مسیح نے ہیرودوس اور پلاطوس کے علاقہ میں کوئی عزت نہیں پائی بلکہ غایت درجہ کی تحقیر کی گئی - اور یہ خیال کہ دنیا میں پھر آکر عزت اور بزرگی پائیں گے یہ ایک بے اصل وہم ہے جو نہ صرف خدا تعالیٰ کی کتابوں کے منشا کے مخالف بلکہ اس کے قدیم قانون قدرت سے بھی مغائر اور مبائن اور پھر ایک بے ثبوت امر ہے مگر واقعی اور سچی بات یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اُس بدبخت قوم کے ہاتھ سے نجات پاکر جب ملک پنجاب کو اپنی تشریف آوری سے فخر بخشا تو اس ملک میں خدا تعالیٰ نے اُنکو بہت عزت دی اور بنی اسرائیل کی وہ دس قومیں جو گم تھیں اس جگہ آکر انکو ملگئیں - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل اس ملک میں آکر اکثر انمیں سے بدھ مذہب میں داخل ہوگئے تھے اور بعض ذلیل قسم کی بت پرستی میں پھنس گئے تھے - سو اکثر انکے حضرت مسیح کے اس ملک میں آنے سے راہ راست پر آگئے اور چونکہ حضرت مسیح کی دعوت میں آنیوالے نبی کے قبول کرنے کے لئے وصیت تھی اس لئے وہ دس فرقے جو اس ملک میں آکر افغان اور کشمیری کہلائے آخرکار سب مسلمان ہوگئے - غرض اس ملک میں حضرت مسیح کو بڑی وجاہت پیدا ہوئی - قرآن شریف

میں ایک یہ بھی آیت ہے وَجَعَلَنِیْ مُبَارَکًا اَیْنَمَا کُنْتُ کہ مسیح کو خدا نے ایسی برکت دی ہے کہ جہاں جائیگا وہ مبارک ہو۔ سو اس سے ثابت ہے کہ اُسنے خدا سے بڑی برکت پائی اور وہ فوت نہ ہوا جبتک اسکو ایک شاہانہ عزت نہ دیگئی۔ اسیطرح قرآن شریف میں ایک یہ بھی آیت ہی۔ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ یعنے اے عیسیٰ میں اُن الزاموں سے تجھے بری کروں گا اور تیرا پاک دامن ہونا ثابت کردونگا اور اُن تہمتوں کو دور کردونگا جو تیرے پر یہود اور نصاریٰ نے لگائیں۔ یہ ایک بڑی پیشگوئی تھی اور اسکا ماحصل یہی ہے کہ یہود نے یہ تہمت لگائی تھی کہ نعوذ باللہ حضرت مسیح مصلوب ہوکر ملعون ہوگئے اور خدا کی محبت انکے دلمیں سے جاتی رہی اور جیسا کہ لعنت کے مفہوم کے لئے شرط ہے اُنکا دل خدا سے برگشتہ اور خدا سے بیزار ہوگیا اور تاریکی کے بے انتہا طوفان میں پڑ گیا اور بدیوں سے محبت کرنے لگا اور کل نیکیوں کا مخالف ہوگیا اور خدا سے تعلق توڑ کر شیطان کی بادشاہت کے ماتحت ہوگیا اور اس میں اور خدا میں حقیقی دشمنی پیدا ہوگئی۔ اور یہی تہمت ملعون ہونیکی نصاریٰ نے بھی لگائی تھی مگر نصاریٰ نے اپنی نادانی سے دو ضدوں کو ایک ہی جگہ جمع کر دیا ہے۔ انہوں نے ایکطرف تو حضرت مسیح کو خدا کا فرزند قرار دیا اور دوسری طرف ملعون بھی قرار دیا ہے اور خود مانتے ہیں کہ ملعون تاریکی اور شیطان کا فرزند ہوتا ہے یا خود شیطان ہوتا ہے سو حضرت مسیح پر یہ سخت ناپاک تہمتیں لگائی گئی تہیں۔ اور "مطہرک" کی پیشگوئی میں یہ اشارہ ہے کہ ایک زمانہ وہ آتا ہے کہ خدا تعالیٰ ان الزاموں سے حضرت مسیح کو پاک کریگا۔ اور یہی وہ زمانہ ہے۔

اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تطہیر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی سے بھی عقلمندوں کی نظروں میں بخوبی ہوگئی کیونکہ آنجناب نے اور قرآن شریف نے گواہی دی کہ وہ الزام سب جھوٹے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر لگائے گئے تھے۔ لیکن یہ گواہی عوام کی نظر میں نظری اور باریک تھی اس لئے اللہ تعالیٰ کے انصاف نے یہی چاہا کہ جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو مصلوب کرنا ایک مشہود امر تھا اور امور بدیہیہ مشہودہ محسوسہ میں سے تہا اسی طرح تطہیر اور بریت بھی امور مشہودہ محسوسہ میں سے ہونی چاہیئے۔ سو اب اسی کے موافق ظہور میں آیا یعنے تطہیر بھی صرف نظری نہیں بلکہ محسوس طور پر ہوگئی اور لاکھوں انسانوں نے اس جسم کی آنکھ سے دیکھہ لیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر سری نگر کشمیر میں موجود ہے۔ اور جیسا کہ گلگتہ یعنے سری کے مکان پر حضرت مسیح کو صلیب پر کھینچا گیا تھا ایسا ہی سری کے مکان پر یعنے سرینگر میں اُنکی قبر کا ہونا ثابت ہوا۔ یہ عجیب بات ہی کہ دونوں موقعوں

ہیں سری کا لفظ موجود ہے یعنے جہاں حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر کھینچے گئے اس مقام کا نام بھی گلگت یعنے سری ہے اور جہاں انیسویں صدی کے اخیر میں حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر ثابت ہوئی اُس مقام کا نام بھی گلگت یعنے سری ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ گلگت کہ جو کشمیر کے علاقہ میں ہے یہ بھی سری کی طرف ایک اشارہ ہے۔

اور احادیث میں معتبر روایتوں سے ثابت ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسیح کی عمر ایکسو پچیس ۱۲۵ برس کی ہوئی ہے۔ اور اس بات کو اسلام کے تمام فرقے مانتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام میں دو ایسی باتیں جمع ہوئی تھیں کہ کسی نبی میں وہ دونوں جمع نہیں ہوئیں۔ (۱) ایک یہ کہ انہوں نے کامل عمر پائی یعنی ایکسو پچیس ۱۲۵ برس زندہ رہے۔ (۲) دوم یہ کہ اُنہوں نے اکثر حصوں کی سیاحت کی اس لئے نبی سیاح کہلائے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر وہ صرف تینتیس ۳۳ برس کی عمر میں آسمان کیطرف اُٹھائے جاتے تو اس صورت میں ایک سو پچیس ۱۲۵ برس کی روایت صحیح نہیں ٹھہر سکتی اور نہ وہ اُس چھوٹی سی عمر میں یعنی تینتیس برس میں سیاحت کر سکتے تھے۔ اور یہ روائتیں نہ صرف حدیث کی معتبر اور قدیم کتابوں میں لکھی ہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے فرقوں میں اس تواتر سے مشہور ہیں کہ اس سے بڑھکر متصور نہیں۔ کنز العمال جو احادیث کی ایک جامع کتاب ہے اس کے صفحہ ۳۴ میں ابوہریرہ سے یہ حدیث لکھی ہے اوحی اللہ تعالیٰ الی عیسیٰ ان یا عیسیٰ انتقل من مکان الی مکان لئلا تعرف فتوذی یعنے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیطرف وحی بھیجی کہ اے عیسیٰ ایک مکان سے دوسرے مکان کیطرف نقل کرتا رہ یعنے ایک ملک سے دوسرے ملک کیطرف جاتا کہ کوئی تجھے پہچانکر دُکھ نہ دے۔ اور پھر اسی کتاب میں جابر سے روایت کر کے یہ حدیث لکھی ہے۔ کان عیسیٰ ابن مریم یسیح فاذا امسیٰ اکل بقل الصحراء ویشرب الماء القراح۔ یعنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ سیاحت کیا کرتے تھے اور ایک ملک سے دوسرے ملک کیطرف سیر کرتے تھے اور جہاں شام پڑتی تھی تو جنگل کے بقولات میں سے کچھ کہاتے تھے اور خالص پانی پیتے تھے۔ اور پھر اسی کتاب میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے جسکے یہ لفظ ہیں۔ قال احب شیئ الی اللہ الغرباء قیل ای شیئ الغرباء۔ قال الذین یفرون بدینہم ویجتمعون الی عیسیٰ ابن مریم۔ یعنے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پیاری خدا کی جناب میں وہ لوگ ہیں جو غریب ہیں۔ پوچھا گیا کہ غریب کے کیا معنے ہیں کہا وہ لوگ ہیں جو عیسیٰ مسیح کیطرح دین لیکر اپنے ملک سے بھاگتے ہیں۔

عصمت انبیاء پر بحث

جناب ایڈیٹر صاحب! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ عصمت انبیاء پر جو مضمون سال گذشتہ میں آپکے رسالے میں نکلا تھا۔ اسپر کچھ عرصہ بعد عیسائیوں کے ایک اخبار اپی فینی میں بحث شروع ہوگئی مگر افسوس ہے کہ ایڈیٹر اخبار نے اس بحث کو انصاف کے ساتھ جاری نہیں رکھا بلکہ قبل اسکے کہ ہماری طرف سے اسے مفصل جواب پہونچے بحث کو بند کردیا۔ گویا ایڈیٹر کے نزدیک مذہبی سچائیاں بھی دو تین مہینہ میں زائد المیعاد ہو جاتی ہیں۔ لہذا میں یہ مضمون آپکے رسالے میں بھیجکر امید کرتا ہوں کہ آپ اسکو چھاپ دیں گے۔

اوّل۔ یسوع کی حمایت سے عیسائیوں کا گریز

اپی فنی میں عصمت انبیاء پر جو خط وکتابت شائع ہوئی ہے اس میں سب سے عجیب بات یہ ہے کہ عیسائی نامہ نگاروں نے ریویو آف ریلیجنز کے مضامین کے اس حصہ پر توجہ کرنے سے قطعی طور پر گریز کیا ہے جسمیں انجیلی یسوع کی عصمت پر نکتہ چینی کی گئی تھی۔ انہوں نے آپکے عصمت انبیاء کے مضمون کی تردید میں سارا زور لگایا ہے۔ اور انبیاء کو گنہگار ثابت کرنے میں ہر ایک کوشش سے کام لیا ہے مگر تعجب ہے۔ کہ انہوں نے اس امر کے لئے ذرا بھی کوشش نہیں کی۔ کہ یسوع کو ان الزاموں سے بری ثابت کریں۔ جو انجیل کے رو سے اُنپر وارد ہوتے ہیں انکا اول فرض تو یسوع کی حمایت تھی۔ مگر بجائے اس کے کہ اسکی حمایت میں کچھ کہیں۔ انہوں نے دوسرے انبیاء پر حملہ کرنے میں اپنی قوتوں کو خرچ کیا ہے۔ خود عیسائی نوشتوں کی بناء پر جو آپنے نکتہ چینی کی ہے اسپر جو انکو طیش آتا ہے اس کے لئے مخرج یہ اختیار کیا ہے کہ انبیاء کو جہانتک ممکن ہے برا کہا۔ ذنب کے معنوں پر تو انہوں نے بڑے پُرجوش مضامین لکھے ہیں۔ مگر یسوع کی نکتہ چینیوں پر جو اناجیل کی بناء پر کی گئی ہیں۔ وہ خاموشی سے گذر گئے ہیں۔ انکی یہ عمداً خاموشی ظاہر کرتی ہے۔ کہ وہ یسوع کی حمایت میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اور انہوں نے اپنے خداوند کی حمایت میں ناکافی دلائل دینے کی بجائے یہی مناسب سمجھا ہے کہ اس امر میں بکلی خاموشی اختیار کیجاوے۔ اگر وہ در حقیقت یسوع کی حمایت کر سکتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ میدان میں نہیں آتے اور اُن اعتراضوں کا جواب نہیں دیتے جو یسوع پر اناجیل کی بناء پر کئے گئے ہیں۔

دوم - زبان عربی سے عیسائیوں کی جہالت کا ایک ثبوت

آپنے لکھا تھا - کہ انبیاء علیہم السلام کی نسبت قرآن شریف میں مُجرِم کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا - اسکے متعلق عیسائی نامہ نگاروں کی طرف سے یہ احمقانہ جواب دیا گیا ہے کہ انبیاء کی نسبت مُجرم کا لفظ اس لئے استعمال نہیں کیا گیا - کہ یہ لفظ قرآن شریف میں بالکل آتا ہی نہیں - اگر یہ بیہودہ جواب صرف ہندوستان کے عیسائیوں کی طرف سے ہوتا تو کوئی تعجب کی بات نہ تھی - کیونکہ عربی زبان سے ان لوگوں کی ناواقفیت کس شخص کو معلوم نہیں بے شک ایسا بیہودہ جواب اس ملک کے عیسائیوں کے حال کے بالکل شایاں تھا - جو باوجود اپنی جہالت کے اپنے آپ کو عربی کا عالم ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں - اور نادانی سے عربی زبان کے باریک مسئلوں پر بحث کر کے اپنے آپکو ہنسی کا نشانہ بناتے ہیں - ہم اس ملک کے پادریوں سے تو ایسے بیہودہ بیانات سننے کے عادی ہی تھے مگر ہمیں یہ کبھی خیال نہیں گذرا تھا - کہ دوسرے اسلامی ممالک کے پادری بھی اپنے ہندوستانی بھائیوں کیطرح عربی سے محض نابلد ہیں - ہم خیال کیا کرتے تھے - کہ دوسرے اسلامی ممالک کے پادری اپنے ہندی بھائیوں کی نسبت عربی زیادہ جانتے ہونگے - مگر مصر کے ایک پادری مسٹر اوپسن نے ہمارے اس خیال کو غلط ثابت کیا ہے - اس شخص نے مصر میں بیٹھکر اس مباحثہ میں حصہ لیا ہے - اور ناظرین یہ سُنکر تعجب کریں گے - کہ یہی پہلے صاحب ہیں جنہوں نے یہ پیش کیا کہ مُجرم کا لفظ قرآن شریف میں کسی شخص کے حق میں بھی استعمال نہیں ہوا چونکہ یہ بات ایک مصر کے پادری کے مُنہ سے نکلی تھی اس لئے ہندوستان کے پادریوں نے بڑے شوق سے اسکو لے لیا اور اسکی بڑی قدر کی - ہمیں تعجب آتا ہے کہ مسٹر اوپسن کو اس معاملہ میں دخل دینے کی کیا ضرورت تھی کیا ہندوستان میں پہلے ہی عیسائی جہالت کافی موجود نہ تھی - مسٹر اوپسن عربی سے ایسا ہی ناواقف معلوم ہوتا ہے - جیسا کہ یہاں کے انگریز اکثر ہندوستان کی بولیوں سے ناواقف ہوتے ہیں - اگر وہ عربی سے خوب واقف ہوتا تو یہ بیہودہ بات کبھی پیش نہ کرتا کہ قرآن شریف میں مجرم کا استعمال نہ نبی پر آیا ہے نہ غیر نبی پر - مگر اُس کے ہندوستانی بھائیوں نے اسکی بیان کو خیر مقدم کہا صرف اس لئے کہ یہ بات مصر سے آئی ہے - انکو یہ خبر نہ تھی کہ اس امر میں وہ بھی انکی طرح نابینا ہے اس امر میں رانا گھاٹ کے ایک پادری مسٹر مانرو نے جو حصہ لیا ہے اسمے سے نہایت ہی ہنسی آتی ہے - چونکہ یہ شخص عربی سے ناواقف تھا اس لئے اسکو اوپسن کے بیان کی لغویت نظر نہ آئی - جس طرح جاہل لوگ دوسرے کی بات پر اعتبار کر لیا کرتے ہیں اسی سادگی سے اُس نے بھی مسٹر اوپسن کے بیان پر یقین کر لیا - اور

چاہا کہ اس نکتہ سے بڑا فائدہ اُٹھائے - اس نے سمجھا کہ اب ریویو آف ریلیجنز کا ایڈیٹر خوب قابو میں آگیا ہے - کیونکہ وہ عمداً ایک بڑی سخت غلط بیانی کا مرتکب ہوا ہے - اس نے مناسب نہ سمجھا کہ ایڈیٹر پر حملہ کرنے کے موقع کو ہاتھ سے جانے دے - اس بیچارہ کو اپنی آنکھوں کا شہتیر نظر نہ آیا - وہ یہ نہیں دیکھ سکا کہ میں مسٹر اوپسن کے لغو بیان کی تصدیق کرنے میں خود اپنی جہالت کا ثبوت دے رہا ہوں ہمیں اس سے تو تعجب نہیں آتا کہ وہ مسٹر اوپسن کی غلطی کو دیکھ سکا کیونکہ اس سے اس بات کی امید ہی نہ تھی - اسکی جہالت باوجود اپنی حماقت کے اسکو معذور ٹھیراتی ہے - اسکا جرم تو یہ ہے کہ اُس نے شوخی سے ایڈیٹر پر کیوں حملہ کیا مگر میرے خیال میں اسکو اس امر کی کافی سزا مل چکی ہے - اسکا حملہ ہی اس کے لئے کافی سزا ہے - کیونکہ اس حملہ سے اُس نے اپنی پردہ دری کرائی اسکو اپنی جہالت اور مسٹر اوپسن کی بات پر حد سے زیادہ اعتبار کر لینے سے یہ ذلت نصیب ہوئی اور اُسے اس منحوس وقت پر لعنت بھیجنی چاہیئے - جبکہ اُسے اس مباحثہ میں حصہ لینے کا خیال آیا جسکے وہ بالکل ناقابل تھا اور جو انجام کار اسکی پردہ دری کا باعث ہوا - میں اسکو ہمدردی سے مشورہ دیتا ہوں کہ آئندہ وہ ایسے مباحثات میں شامل ہونیکا کبھی خیال بھی نہ کرے - جس میں... عربی دانی کی ضرورت ہو - میں امید کرتا ہوں کہ وہ اس سبق سے فائدہ اُٹھائیگا اور پھر کبھی ایسے مباحثات میں دخل نہ دیگا اگر وہ بیکار نہیں بیٹھ سکتا اور ضرور اسکے لئے کوئی شغل چاہیئے تو میں اسکیلئے ایک اور قسم کا مباحثہ تجویز کرتا ہوں جسمیں اسکی ذات کے لئے کسی پردہ دری کا خطرہ نہیں - انجیل کی بنا پر ریویو آف ریلیجنز میں یسوع پر نکتہ چینی کی گئی ہے - اور عیسائی نوشتوں کی شہادت پر یسوع کی عصمت پر بڑے سخت اعتراض کئے گئے ہیں - اس لئے مسٹر مانرو کے لئے بہت بہتر ہوگا کہ اس ضروری مسئلہ کو بحث کے نیچے لائے اور اس مضمون پر پُر زور مضامین لکھے - یہ اسکے لئے مزیادہ سلامتی کی راہ ہے کیونکہ اسمیں اُسکے لئے کسی اپنی پردہ دری کا خطرہ نہیں - اگرچہ ممکن ہے کہ اس سے اس شخص کی پردہ دری ہو جائے جسکو جہالت سے وہ اپنا خدا سمجھ کے پوجتا ہے -

مگر باوجود اسکے کہ یہ مسٹر مانرو کے لئے نہایت ہی مقدس اور اعلیٰ درجہ کا فرض ہے - کہ اپنے خدا کی خدائی کو اسکی معصومیت ثابت کر کے تھامے - میں وثوق سے کہتا ہوں کہ وہ اس کام کے لئے کبھی جرأت نہیں کریگا - اس کے اپی فنی میں بہت دفعہ خطوط چھپے ہیں جس میں اُسنے ریویو آف ریلیجنز کے بعض بیانات پر اعتراض کیا ہے مگر تعجب کی بات یہ ہے کہ باوجود اپنے اس قدر مذہبی جوش اور تعصب کے یسوع کی عصمت پر جو اعتراض کئے گئے ہیں انکا کوئی دفعیہ نہیں کیا - وہ خوب جانتا ہے کہ ایسی کوشش کرنا مفید نہیں

بلکہ مضر ہوگا کیونکہ ان اعتراضات کی بنا ر اناجیل کے کہلے کہلے اور صریح الفاظ پر ہے۔

یہ آسانی سے سمجھ آسکتا ہے کہ عیسائیوں کو یہ غلطی کیونکر لگی کہ جرم کا استعمال قرآن شریف میں ہوا ہی نہیں۔ آپنے جو مضمون عصمت انبیاء پر شائع کیا تہا اس میں آپ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن شریف انبیاء کو گنہ گار نہیں ٹہیراتا اور اسبات کے ثبوت میں آپنے بیان کیا کہ قرآن شریف میں انبیاء کی نسبت جُرم کا لفظ جو گنہ کا ٹہیک ٹہیک ترجمہ ہے۔ کبھی نہیں آیا۔ اگرچہ یہ لفظ قرآن شریف میں دوسرے لوگوں کی نسبت بہت دفعہ آیا ہے آپ کا یہ مطلب نہ تہا کہ ایسے لفظ مثلاً اجرام - یجرمون - اجرموا - وغیرہ جو جرم کے مادہ سے نکلے ہیں ممکن ہے کہ انبیاء کی نسبت استعمال کئے گئے ہوں مگر جرم اپنی مصدری صورت میں انبیاء کی نسبت استعمال نہیں ہوا۔ ایسا کہنا انبیاء کی عصمت کی کوئی دلیل نہیں ہو سکتی تہی۔ اگر دوسرے لفظ جو جرم کے مادے سے نکلے ہوئے ہیں انبیاء کی نسبت استعمال کئے جاتے اور صرف جرم کی مصدری صورت استعمال نہ ہوتی تو یہ کوئی انکی عصمت کی دلیل نہ ہوتی۔ جرم ایک جڑہ ہونیکی وجہ سے ان تمام الفاظ پر حاوی ہے جو اس سے نکل سکتے ہیں۔ اور جب آپنے کہا کہ جرم کا استعمال انبیاء کے متعلق قرآن شریف میں نہیں آیا اگرچہ اکثر دوسرے لوگوں کی نسبت آیا ہے تو صریحاً جرم سے آپکی مراد وہ سارے الفاظ تہے جو اس لفظ سے نکلتے ہیں اور جنپر یہ لفظ حاوی ہے مگر عیسائیوں کو اتنا علم نہ تہا کہ وہ اس بات کو سمجھیں۔ انہوں نے کسی نجوم القرآن میں لفظ جُرم کا دیکہا۔ اور جب انکو اس لفظ کا پتہ نہ ملا تو انہوں نے دلیری سے کہہ دیا کہ جرم کا استعمال قرآن شریف میں ہوا ہی نہیں۔ انکو یہ معلوم نہ تہا کہ اسطرح وہ اپنی جہالت کا ثبوت دے رہے ہیں۔ چونکہ وہ عربی سے ناواقف تہے انکو یہ خیال نہ آیا۔ کہ ان الفاظ کو ڈہونڈیں جو جُرم کے مادے سے نکلے ہوئے ہیں۔

اگر قرآن شریف میں دوسرے الفاظ جو جُرم کے مادے سے نکلے ہوئے ہیں انبیاء کی نسبت آئے ہوتے تو صرف جرم کا نہ آنا انکی معصومیت کو ثابت نہیں کر سکتا تہا۔ فرض کرو کہ زید بیان کرتا ہے کہ گناہ کا لفظ یسوع کی نسبت انجیل میں استعمال نہیں ہوا اس لئے اُسے معصوم سمجھنا چاہیئے۔ مگر عمر ایسے فقرے انجیل سے پیش کرتا ہے۔ جسمیں یسوع کی نسبت یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں گنہگار گنہ کرنے والا۔ گنہ کنندہ وغیرہ۔ تو کیا زید کے لئے یہ کہنا عقلمندی ہوگی کہ اگرچہ یہ الفاظ یسوع کی نسبت بیان کئے گئے ہیں۔ مگر چونکہ لفظ گنہ اپنی سادہ اور غیر مرکب صورت میں یسوع کی نسبت نہیں آیا اس لئے یسوع کو بے گنہ سمجھنا چاہیئے۔ زید کا ایسا جواب موجب تمسخر ہوگا۔ لیکن لفظ

جرم کی صورت میں عیسائیوں کا جواب اس سے کچھ کم لغو نہیں ہے - اگرچہ قریباً تمام الفاظ جو جُرم کے لفظ سے نکل سکتے ہیں - قرآن شریف میں آئے ہیں مگر وہ بیان کرتے ہیں - کہ چونکہ جرم کا مادہ اپنی اصل صورت میں قرآن شریف میں کبھی نہیں آیا - اس لئے ریویو آف ریلیجنز کے ایڈیٹر نے بڑی غلط بیانی کی - جبکہ اُسنے کہا کہ جرم اگرچہ اکثر قرآن شریف میں دوسرے لوگوں پر آیا ہے - مگر انبیاء کی نسبت ایکدفعہ بھی نہیں آیا گویا کہ ایڈیٹر صاحب کی یہ مراد تھی - کہ جرم سے نکلے ہوئے لفظ ممکن ہے کہ انبیاء کی نسبت آئے ہوں مگر جُرم کا مادہ قرآن شریف میں انبیاء کی نسبت استعمال نہیں ہوا -

سوم - ذنب کے معنے

(۱) عیسائی بیان کرتے ہیں کہ قرآن شریف انبیاء کو ایسا ہی گنہ گار ٹھیراتا ہے - جیسا کہ معمولی آدمیوں کو یہ صریحاً غلط ہے - اگر ایسی بات ہے - تو قرآن شریف ایسے الفاظ کو مثلاً جُرم - فسق - جناح - اثم وغیرہ انبیاء کے متعلق کیوں استعمال نہیں کرتا - حالانکہ ایسے الفاظ اکثر دوسرے لوگوں کی نسبت استعمال ہوئے ہیں - اگر قرآن شریف انکو ایسا ہی گنہ گار سمجھتا ہے - جیسا کہ دوسرے آدمیوں کو - تو کیوں وہ انکے متعلق ایسے الفاظ استعمال کرنیسے پرہیز کرتا ہے - جو وہ دوسرے گنہگاروں کے متعلق اکثر استعمال کرتا ہے - لفظ فسق - جرم - اثم - جناح وغیرہ قرآن میں قریباً دو سو دفعہ آئے ہیں - لیکن باوجود انکی اسقدر کثرت استعمال کے کسی نبی کی نسبت وہ ایک دفعہ بھی استعمال نہیں کئے گئے - اگر لفظ ذنب اور جرم وغیرہ میں کوئی فرق نہیں ہے - تو کیا وجہ ہے - کہ قرآن شریف نے انبیاء کے لئے صرف ذنب کا لفظ چن لیا ہے - اور ہمیشہ جرم وغیرہ الفاظ کے استعمال سے پرہیز کی ہے - قرآن شریف میں جرم - فسق - اثم وغیرہ کی نسبت ذنب کا استعمال بہت کم ہے - لیکن باوجود اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن شریف دوسرے لفظوں کو چھوڑکر انبیاء کی نسبت صرف ذنب کا لفظ استعمال کرتا ہے - قرآن شریف نے صریحاً انبیاء کے متعلق جرم اور ذنب کے لفظ کے استعمال میں تمیز رکھی ہے - جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب کبھی انبیاء کی نسبت ذنب کا لفظ استعمال ہوتا ہے - تو وہ جرم وغیرہ کا مترادف نہیں ہوتا -

(ب) ایک اور دلیل کہ ذنب ہمیشہ گناہ سرزد شدہ کے معنے نہیں رکھتا - یہ ہے - کہ خدا تعالیٰ ذنب کی ایسے فعل کیطور پر تعریف نہیں کرتا جو ہمیشہ قابل سزا ہو - حالانکہ دوسرے الفاظ جرم - وغیرہ کی ایسی تعریف کی گئی ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے - کہ خدا تعالیٰ ذنب کو تمام صورتوں میں قابل سزا فعل نہیں ٹھیراتا - ہمیں قرآن شریف میں کہیں نہیں بتلایا گیا کہ جس شخص میں صرف ذنب پایا جائے وہ ہمیشہ مستحق سزا کا

ہوتا ہے۔ مگر گناہ ایک قابل سزا فعل ہے۔ اور ہر ایک شخص جو گناہ کا مرتکب ہو سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ اس سے ہم نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ ذنب کو تمام صورتوں میں گناہ کا مترادف نہیں قرار دیتا کیونکہ وہ کہیں بیان نہیں کرتا۔ کہ جس شخص میں ذنب پایا جائے۔ وہ ہمیشہ قابل سزا فعل کا مرتکب ہوتا ہے۔ قرآن شریف میں ایک بھی آیت نہیں ہے۔ جس سے یہ نتیجہ نکل سکے کہ خدا تعالیٰ ذنب کی تمام صورتوں کو قابل سزا ٹھیراتا ہے بجائے اسکے کہ عیسائی قرآن شریف سے کوئی ایسی آیت پیش کرتے جس سے پایا جاتا کہ جس شخص میں ذنب پایا جائے وہ سزا کا مستحق ہو جاتا ہے۔ انہوں نے ایسی آئتیں پیش کی ہیں جس میں ذنب گناہ کے لئے آیا ہے۔ گویا ہمارا یہ دعوے تھا کہ ذنب گناہ کے معنوں میں آتا ہی نہیں۔ قرآن شریف سے ایسی آئتیں پیش کی گئی ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجرم لوگ اپنے ذنوب کی سزا پائیں گے۔ لیکن کیا اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جس میں ذنب پایا جائے وہ سزا پائیگا۔ ان آئیتوں سے تو اتنا ہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو مجرم ہونگے وہ اپنے ذنوب کی سزا پائیں گے۔ ہم عیسائی صاحبان سے ایسی آیت طلب کرتے ہیں جسکے یہ معنے ہوں کہ ہر ایک مذنب سزا پائیگا۔ قرآن شریف میں ایسی کئی آئتیں ہیں کہ جو کوئی جرم۔ فسق۔ اثم۔ کفر کرے وہ سزا کا مستحق ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہ آیت ہے۔ ومن یأت ربه مجرماً فان له جهنم۔ ترجمہ۔ اور جو کوئی خدا کے پاس مجرم کے طور پر آئیگا دوزخ میں ڈالدیا جائیگا لیکن ہمیں کہیں نہیں بتلایا گیا کہ جو کوئی رب کے پاس مذنب ہوکر جاویگا دوزخ کی سزا پاوے گا۔ ایسا ہی قرآن شریف میں کئی آئتیں ہیں جنمیں فسق اثم۔ کفر وغیرہ تمام صورتوں میں قابل سزا فعل بیان کئے گئے ہیں۔ مگر ذنب کی کہیں ایسی تعریف نہیں کی گئی۔

مجرم۔ کافر۔ فاسق وغیرہ کا ذنب خالص ذنب نہیں ہے کیونکہ ان صورتوں میں ان لوگوں کی طرف صرف ذنب ہی منسوب نہیں کیا گیا۔ بلکہ ان لوگوں کے ذنب کے ساتھ جرم۔ کفر۔ فسق وغیرہ بھی لگائے گئے ہیں۔ اس لئے ہم یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ ذنب جسکے ساتھ کفر۔ جرم۔ فسق وغیرہ نہ ملا ہوا ہو وہ بھی ہمیشہ قابل سزا ہوتا ہے۔ اگر مجرم کافر۔ فاسق وغیرہ کو اس کے ذنب کی سزا میں دوزخ کا وعید سنایا گیا ہے تو اس سے ہم یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ انبیا بھی جنکی طرف جرم۔ کفر۔ فسق منسوب نہیں کئے گئے۔ اپنے ذنب کے لئے مستحق سزا ہوتے ہیں۔ عیسائیوں کو قرآن شریف کی رو سے ثابت کرنا چاہیئے۔ کہ جس شخص کی طرف صرف ذنب منسوب کیا گیا ہو۔ اور جرم۔ فسق۔ اثم وغیرہ اسکی طرف منسوب نہ کئے گئے ہوں وہ بھی سزا کا ایسا ہی مستحق ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ مجرم یا اثیم وغیرہ۔ اب قرآن شریف میں

خدا تعالیٰ انبیاء کی نسبت صرف ذنب کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ اور ذنب کو وہ کہیں ایسے فعل کے طور پر بیان نہیں کرتا۔ جو کہ تمام صورتوں میں سزا کا مستحق بناوے۔ اور وہ جرم۔ فسق۔ اثم۔ کفر وغیرہ الفاظ انبیاء کی نسبت استعمال نہیں کرتا۔ اور وہ ان فعلوں کو ان کی تمام صورتوں میں قابل سزا بیان کرتا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ انبیاء کو ایسے لوگوں میں شامل نہیں کرتا جو کہ سزا پانے کے خطرہ میں ہوتے ہیں۔ جیسا کہ وہ دوسرے لوگوں کو سمجھتا ہے۔

(ج) عیسائی بیان کرتے ہیں کہ انبیاء بھی اسی طرح گناہ کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ دوسرے لوگ۔ اور یہ کہ انبیاء اور دوسرے لوگوں میں اس بارہ میں کوئی فرق نہیں۔ قرآن شریف اسکی تردید کرتا ہے وہ اس بارے میں انبیاء اور دوسرے لوگوں میں صاف تمیز کرتا ہے۔ جب بعض لوگوں نے شک کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں سے زیادہ حصہ لے لیا ہے تو خدا تعالیٰ نے انکے شبہات کا اس طرح جواب دیا ماکان لنبیٍّ اَنْ یَّغُلَّ ترجمہ۔ نبی کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ مال غنیمت میں خیانت کرے جس طرز میں خداوند تعالیٰ نے جواب دیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ گناہ کے بارے میں خدا تعالیٰ انبیاء کو اور دوسرے لوگوں کو مساوات کی نظر سے نہیں دیکھتا خدا تعالیٰ اُنکے شبہوں کا یوں جواب دے سکتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں کوئی خیانت نہیں کی۔ برخلاف اس کے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی نبی ایسا کام کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک انبیاء اور دوسرے لوگ گناہ کے معاملہ میں مساوی نہیں ہیں جیسا کہ عیسائیوں کا خیال ہے۔ خدا یہاں ایک قسم کے گناہ کا ذکر اسلئے کرتا ہے کہ موجودہ صورت میں اسی قسم کا الزام لگایا گیا تھا۔ اور یہی الزام تھا جس سے خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بری کرنا چاہتا تھا۔

(د) عیسائی لوگ بیان کرتے ہیں کہ استغفار ایسے گناہوں کی معافی کے لئے ایک دعا ہے جو سرزد ہو چکے ہیں۔ اور جب تک کہ کوئی گناہ سرزد نہ ہو۔ کوئی استغفار نہیں ہو سکتا یہ بیان کئی وجوہات کی رو سے غلط ہے۔

(ا) استغفار کے لفظی معنے اس بیان کی تردید کرتے ہیں۔ اس کے معنے ہیں حفاظت مانگنا۔ گناہوں سے حفاظت مانگنا صریحاً دو قسم کا ہوتا ہے ایک سرزد شدہ گناہوں کے بد نتائج سے حفاظت طلب کرنا دوسرا خود گناہوں کے وقوع سے حفاظت طلب کرنا۔ ہم طبعی طور پر صرف یہی خواہش نہیں کرتے

کہ ہمارے گزشتہ گناہ معاف ہوں - بلکہ یہ بھی خواہش کرتے ہیں کہ آئندہ ہم سے گناہ سرزد ہی نہ ہوں - اور استغفار ایک ایسی دعا ہے جسمیں ہم اپنی طبعی خواہشوں کو ظاہر کرتے ہیں اُسکو صرف ایک خواہش پر ہی محدود کرنا بے انصافی ہے -

(۲) قرآن شریف میں کئی آیات ہیں جنسے ظاہر ہوتا ہے کہ استغفار صرف سرزد شدہ گناہوں کے لئے ایک دعا نہیں ہے بلکہ ہم بغیر کسی گناہ کے وقوع کے بھی استغفار کر سکتے ہیں - خدا تعالیٰ ہمیں تاکید کرتا ہے کہ صبح کے وقت استغفار کیا کرو - اگر استغفار ضرور گناہوں کے بعد ہوتا ہی تو کیوں خداوند تعالیٰ نے صبح کا وقت خاص کیا - ہم سے جسوقت گناہ سرزد ہو اسی وقت استغفار کرنا چاہیئے تھا - مگر خدا ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ تم ہر روز صبح کے وقت استغفار کیا کرو وہ فرماتا ہی الصابرین والصادقین والقانتین والمنفقین والمستغفرین بالاسحار پھر فرماتا ہے - انہم کانوا قبل ذالك محسنین کانوا قلیلا من اللیل ما یھجعون وبالاسحار ھم یستغفرون -

ان آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے - کہ خدا تعالیٰ ہمیں یہی حکم نہیں کرتا کہ جسوقت تم سے کوئی گناہ سرزد ہو اُسوقت استغفار کیا کرو - بلکہ یہ بھی چاہتا ہے کہ بغیر گناہوں کے ارتکاب کے بھی ہم استغفار کیا کریں -

(۳) ایک اور آیت جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ استغفار گنہگار ہونیکا کوئی ثبوت نہیں ہے - اور وہ یہ ہے نورھم یسعیٰ بین ایدیھم وبایمانھم یقولون ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا انك علیٰ کل شیءٍ قدیر - (سورۃ التحریم) اس آیت میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ بہشتی لوگ بھی استغفار کیا کرینگے - انکا استغفار گناہوں کے لئے نہیں ہو سکتا کیونکہ بہشت میں کوئی گناہ نہیں ہوگا - اور نہ وہ اپنی دنیاوی زندگی کے گناہوں کے لئے استغفار کرینگے کیونکہ ہمیں اس سے پہلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ بہشت میں داخل ہونے سے پہلے اُنکے گناہ معاف کئے جائینگے آیت اس طرح ہے عسیٰ ربکم ان یکفر عنکم سیّاتکم ویدخلکم جنٰتٍ تجری من تحتھا الانھار - پس انکا استغفار گذشتہ گناہوں کے لئے نہیں خود اس آیت سے ہمیں پتہ ملتا ہی کہ انکا استغفار کس غرض کے لئے ہوگا - چونکہ خداوند تعالیٰ کے نور کی کوئی حد نہیں ہے - اس لئے جو نور اہل جنت کو ملیگا وہ انکو اس نور کے مقابل میں ناقص نظر آئیگا جو ابھی انکو نہیں ملا - اس نقص کو محسوس کرکے وہ خدا سے دعا کرینگے

کہ ہمارا نور پورا کر۔ اور ہماری اس ناقص حالت کو ڈھانپ دے۔ مگر وہ کبھی نور سے سیر نہیں ہونگے۔ کیونکہ خدا کے نور کی کوئی حد نہیں۔ اس لئے وہ ہمیشہ زیادہ اور زیادہ نور مانگتے رہیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ استغفار روحانی ترقی کے لئے ایک دعا ہے۔ چونکہ روحانی ترقی کی کوئی حد نہیں۔ اسلئے انبیاء علیہم السلام ہمیشہ دعا میں لگے رہتے ہیں۔ اور ہمیشہ زیادہ نور مانگتے رہتے ہیں۔ وہ کبھی اپنی روحانی ترقی پر سیر نہیں ہوتے اسلئے ہمیشہ استغفار میں لگے رہتے ہیں کہ خدا انکی ناقص حالت کو ڈھانپے۔ اور پورا روشنی کا پیمانہ دے۔ اسیوجہ سے خدا تعالیٰ اپنے نبی کو فرماتا ہے۔ قل رب زدنی علما یعنی ہمیشہ زیادہ علم کے لئے دعا کرتا رہ۔ کیونکہ جیسا خدا بے حد ہے ایسا ہی اسکا علم بھی بے حد ہے۔ الغرض اہل جنت کا استغفار صاف طور پر ثابت کرتا ہے۔ کہ استغفار اور گناہ لازم ملزوم نہیں ہیں۔ اور یہ کہ ہمارا استغفار اس لئے بھی ہو سکتا ہے کہ خدا ہماری کمزوریوں کو ڈھانپے اور روحانی ترقی کے لئے طاقت دے۔ عیسائی بڑے ظالم ٹھیریں گے۔ اگر وہ اب بھی اصرار کرینگے کہ استغفار ہمیشہ گذشتہ گناہوں کی معافی کے لئے ایک دعا ہوتی ہے۔

(۴) ایک اور آیت جس سے معلوم ہوتا ہے کہ استغفار ہمیشہ گذشتہ گناہوں کے لئے نہیں ہوتا۔ یہ ہے۔ فسبح بحمد ربك واستغفره انه كان توابا اس آیت میں خداوند تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کی تاکید کرتا ہے۔ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تھوڑے ہی دن پہلے اتری۔ اب اس آیت کے ساتھ یہ آیت ملاؤ۔ انا فتحنا لك فتحا مبينا ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تأخر۔ یہ آیت فتح مکہ کے وقت اتری اسلئے یہ آیت اول الذکر آیت سے بہت پہلے کی ہے عیسائی اس آیت کا اسطرح ترجمہ کرتے ہیں۔ ہم نے تجھے ایک صریح فتح دی تاکہ ہم تیرے پہلے اور پچھلے گناہ معاف کریں*۔ یہ عیسائیوں کا ترجمہ ہے۔ اس لئے عیسائیوں کو

* ۔ یہ معنے بالصراحت غلط ہیں کیونکہ اس آیت کا مطلب ہی بگڑ جاتا ہے۔ ایک فتح کو گناہ کی معافی سے کیا تعلق ہے۔ گناہوں کی معافی فتح کا کوئی نتیجہ نہیں ہو سکتا۔ یہاں لفظ ذنب سے وہ عیب مراد ہیں جو کفار آنحضرت صلعم کیطرف منسوب کیا کرتے تھے کہ یہ شخص مفتری اور جھوٹا ہے۔ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح دی۔ جو کہ آپکی صداقت کی علامت تھی۔ اور اسطرح خداوند تعالےٰ نے آنحضرت صلعم کو فتح دیکر ان تمام الزاموں کو دور کر دیا جو کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف منسوب کیا کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے آپکے سلسلہ کو پوری کامیابی دی۔ اور آپکے دشمنوں کو ہلاک کیا۔ اور اس طرح آپکی سچائی کی شہادت دی۔ ربط کلام ان معنوں کی تائید کرتا ہے

ماننا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے فتح مکہ کیوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کل اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے تھے اب جب خداوند تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے۔ تو پھر خداوند تعالےٰ نے آنحضرت صلعم کو کیوں استغفار کی تاکید کی۔ اگر ہم عیسائیوں کے ترجمہ کو بھی مان لیں۔ تو ہمیں نتیجہ نکالنا پڑتا ہے۔ کہ جب خداوند تعالیٰ نے گناہ معاف کرنے کے بعد استغفار کی تاکید کی تو وہ استغفار گذشتہ سرزد شدہ گناہوں کے لیے نہیں تھا۔ کیونکہ آپکے گناہ تو ساری معاف ہو چکے تھے یہ کسطرح ممکن ہے کہ خداوند تعالےٰ اول ساری گناہوں کو معاف کرے۔ اور پھر بعد اسکے گناہوں کی معافی منگوائے۔ پس عیسائیوں کو ماننا چاہیئے کہ یہاں و استغفرہ کے معنے یہ نہیں کہ گناہوں کے لئے معافی مانگ بلکہ یہاں استغفار کے معنے خداوند تعالیٰ سے قوت طلب کرنا ہیں تاکہ وہ روحانی منزل کے طے کرنے میں طاقت بخشے۔ سیاق کلام بھی اس معنے کی تائید کرتا ہے اس سورۃ میں (یعنی النصر) میں خداوند تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل کامیابی کا ذکر کرتا ہے۔ اور آپکے قرب موت کیطرف اشارہ کرتا ہے۔ اور تاکید کرتا ہے کہ زندگی کے باقی دنوں میں صرف دعا میں لگ جاؤ۔

(۵) عیسائی بیان کرتے ہیں کہ استغفار نہیں ہو سکتا جب تک گناہ کا ارتکاب نہو اور یہ کہ جتنا زیادہ کوئی استغفار کرے اتنا ہی زیادہ وہ گنہگار ہوتا ہے۔ اس خیال کی قرآن شریف تردید کرتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریباً ایک دن میں سو دفعہ استغفار کیا کرتے تھے۔ اور آپ ساری عمر ایسا ہی کرتے رہے اب عیسائیوں کے نزدیک یہ بار بار کا استغفار گناہوں کی زیادتی کو ظاہر کرتا ہے۔ مگر قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بڑے تعریف والے کلمے بیان کرتا ہے مثلاً انک لعلی خلق عظیم۔ نیز یہ آیت قل ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین۔ پھر خداوند تعالیٰ آنحضرت صلعم کو سراج منیر فرماتا ہے اب ان تمام آیتوں سے اس نتیجہ کی تردید ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بار بار استغفار کثرت گناہوں کی وجہ سے تھا اگر ایسا ہو تو خداوند تعالیٰ ایسے الفاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد نہ فرماتا جنکا اوپر ذکر ہوا ہے۔

(۶) خداوند تعالیٰ مسلمانوں کو حکم کرتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونے پر چلیں اور آپکے ہر ایک قول اور فعل کی پیروی کریں چنانچہ فرماتا ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ پھر فرماتا ہے۔ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال عیب سے خالی نہ تھے تو کیوں ہمپر واجب کیا کہ ہم آپکے نمونے پر چلیں۔ جب خدا نے ابراہیم علیہ السلام کے نمونے پر چلنے کی تاکید فرمائی تو ساتھ ایک استثنا لگا دیا* مگر آنحضرت صلعم کی صورت میں

* حاشیہ دیکھو آیت قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم .... الا قول ابراھیم لابیہ لاستغفرن لک (الممتحنۃ) اور آیت - وماکان استغفار ابراھیم لابیہ الا عن موعدۃ وعدھا ایاہ فلما تبین لہ انہ عدو للہ تبرأ منہ - ان ابراھیم لاواہ حلیم (التوبۃ ع)

کوئی استثنا نہیں کیا - اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال غلطی سے پاک تھے -

چہارم - کیا عیسائی قرآن شریف سے حضرت مسیح کی عصمت ثابت کر سکتے ہیں

Digitized by Khilafat Library

اسکا جواب یہ ہے کہ اگر استغفار و گناہ لازم ملزوم ہیں تو اس سے ماننا پڑتا ہے کہ قرآن شریف کے رو سے حضرت مسیح بہی بے گناہ نہیں ہیں -

(الف) قرآن میں ہے یستغفرون لمن فی الارض - یعنی خدا کے فرشتے کل اہل زمین کیلئے استغفار کرتے ہیں - اب اگر استغفار کے لئے گناہ کا ہونا ضروری ہے - تو ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ حضرت مسیح بہی بے گناہ نہ تھے - کیونکہ وہ بھی اہل زمین میں شامل ہیں جنکے لئے فرشتے استغفار کرتے ہیں -

(ب) قرآن شریف ایک اور جگہ فرماتا ہی - کہ فرشتوں کا استغفار خاصکر مومنوں کے لئے ہوتا ہی - وہ آیت اس طرح ہے یستغفرون للذین اٰمنوا - قرآن شریف کی رو سے تمام لوگ دو اقسام میں منقسم ہیں ایک مومن دوسرے غیر مومن - اور حضرت مسیح مومنوں میں شامل ہیں اور اس لئے فرشتے اُنکے لئے بھی استغفار کرتے ہیں - پس اگر استغفار سے گنہ گار ہونا لازم ہوتا ہی تو پہر حضرت مسیح بے گناہ نہیں ہو سکتے -

(ج) قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہی کہ تمام گذشتہ انبیاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے تھے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ الخ (آل عمران رکوع ۹)

مسٹر اے ایم - اذ اخذ اللہ میثاق النبیین - کا عجیب ترجمہ کرتا ہی - اس کا ترجمہ کرنے کے واسطے وہ قرآن شریف کی ایک اور آیت کی طرف رخ کرتا ہی - یعنی - ولقد اخذنا میثاق بنی اسرائیل - اور ان دونو آیتوں کو ملانے کی کوشش کرتا ہے - پچھلی آیت کا یہ معنی ہے کہ خدا نے بنی اسرائیل سے عہد لیا - اور پہلی آیت اپنی ترکیب کے لحاظ سے بالکل پچھلی آیت کے مشابہ ہی - اس لئے اسکے معنی یوں کرنے چاہیئے - کہ خدا نے انبیاء سے عہد لیا - دونو ترکیبیں بالکل مشابہ ہیں - اور اگر لقد اخذنا میثاق بنی اسرائیل - کے یہ معنی ہیں کہ خدا نے بنی اسرائیل سے عہد لیا - تو دوسری آیت کے یہ معنے ہونے چاہیئے - کہ خدا نے انبیاء سے عہد لیا - صرف ہم نے ایک آیت میں انبیاء کا لفظ رکھنا ہے - اور دوسری آیت میں بنی اسرائیل کا لفظ - باقی حالتوں میں دونوں عبارتیں بالکل ایک ہی

ہیں۔ لیکن بجائے اسکے کہ مسٹر اے ایم اذ اخذ اللہ میثاق النبیین کا اسی طرز سے ترجمہ کرے۔ جسطرح وہ دوسری عبارت کا ترجمہ کرتا ہے۔ وہ اذ اخذ اللہ میثاق النبیین کا بہت ہی خلاف محاورہ ترجمہ کرتا ہی۔ وہ کہتا ہے کہ اسکے معنے یہ ہیں کہ خدا نے انبیاء کے بارہ میں بنی اسرائیل سے عہد لیا۔ بنی اسرائیل کا لفظ وہ اپنی طرف سے ملاتا ہے۔ ایکطرف تو وہ میثاق بنی اسرائیل کے یہ معنے کرتا ہے کہ بنی اسرائیل سے عہد لیا۔ دوسری طرف میثاق النبیین کا یوں ترجمہ کرتا ہی کہ انبیاء کے بارہ میں بنی اسرائیل سے عہد لیا۔ دونو عبارتیں بالکل مشابہ ہیں۔ اسلئے اگر میثاق بنی اسرائیل کے یہ معنے ہیں کہ بنی اسرائیل سے عہد لیا تو میثاق النبیین کے یہ معنے ہونے چاہیئے کہ نبیوں سے عہد لیا۔

اسکا یہ اعتراض کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے زمانے میں کوئی نبی زندہ تہا جو آپ پر ایمان لاتا۔ اور آپکی نصرت کرتا۔ لغو ہے۔ خدا نے یہ عہد ہر ایک نبی سے کیا۔ جو آنحضرتؐ سے پہلے گذرا۔ اور خدا کی وحی انبیاء پر اترتی تہی۔ نہ کہ عام لوگوں پر لیکن انبیاء کا فرض تہا کہ خدا کا یہ حکم اپنی اپنی امتوں کو پہونچاتے۔ اور انکو تاکید کرتے کہ جب موعود نبی ظاہر ہو تو اسپر ایمان لانا۔ اور اسکی امداد کرنا۔ مگر وہ اس حکم کو نہیں پہونچا سکتے تہی جب تک وہ خود آنحضرتؐ پر ایمان نہ لاتے۔ جب انہوں نے آنحضرتؐ کی آمد کی پیشگوئی کی۔ تو لازم تہا۔ کہ وہ خود بھی آپکی نبوت پر ایمان لاتے۔ اگر مسٹر اے ایم کا اعتراض ہمپر پڑتا ہے۔ تو وہ اس کے معنوں پر بھی ایسا ہی پڑتا ہے۔ اگر عہد بنی اسرائیل سے کیا گیا تہا۔ تو وہ بنی اسرائیل کی کوئی خاص نسل ہو گی۔ اگر انبیاء آنحضرتؐ کے زمانے تک زندہ نہ رہ سکتے تھے۔ تو بنی اسرائیل بھی زندہ نہ رہ سکتے تھے۔ وہ نسل اپنے نبی کے ساتھہ ہی گذر گئی ہو گی۔ تو پہر وہ کس طرح آنحضرتؐ کے زمانے کو دیکہہ سکتی تھی۔ اسلئے دونو صورتوں ہیں جن لوگوں سے عہد کیا گیا وہ بذات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو نہیں دیکہہ سکتے تھے۔ اس لئے دونوں صورتوں میں خدا کے حکم کی تعمیل کرنے والے وہی لوگ ٹہیرتے ہیں جو آنحضرتؐ کی بعثت کیوقت موجود تہی۔ اور اپنے انبیاء کے قائم مقام تہے۔ پس ہمیں صرف یہی دیکہنا چاہیئے کہ عہد کن سے کیا گیا۔ آیت کے الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہی۔ کہ عہد انبیاء سے کیا گیا۔ خدا سے الہام پاکر انبیاء کا فرض تہا کہ خدا کے اس حکم کو اپنی امتوں تک پہونچاتے اور انکو تاکید کریں کہ موعود نبی پر ایمان لانا اور اسکی مدد کرنا۔ لیکن وہ کسطرح اوروں کو تاکید کر سکتے تہی۔ جب تک کہ وہ خود پہلے آنحضرتؐ کی نبوت پر ایمان نہ لاتے انبیاء کی نصرت تو یہی تھی۔ کہ وہ اپنی اپنی

امتوں کو تاکید کر جاویں۔ کہ موعود نبی پر ایمان لانا۔ اور اسکی نصرت کرنا۔

اب چونکہ حضرت مسیح بھی انہی انبیاء میں سے ہیں جنکا اس آیت میں ذکر ہے۔ اسلئے ثابت ہوا۔ کہ وہ بھی آنحضرت ؐ کی نبوت پر ایمان لاتے تھے۔ اور اسلئے مومنین میں شامل تھے۔ اب خدا تعالے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے۔ استغفر لذنبک وللمؤمنین والمؤمنات۔ اب اگر استغفار کے لئے گناہ لازم ہے۔ تو ثابت ہوا۔ کہ حضرت مسیح بھی بے گناہ نہیں تھے۔ کیونکہ آپ بھی مذکورہ بالا آیت کے مطابق مومنین میں شامل ہیں۔ جنکے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کا حکم ہے۔

پنجم۔ کیا یہودیوں کی نسبت جرم کا لفظ قرآن شریف میں نہیں آیا

عیسائی نامہ نگاروں نے بیان کیا ہے کہ اگر انبیاء کی نسبت جرم کا لفظ نہیں آیا۔ تو یہودیوں کی نسبت بھی نہیں آیا۔ یہ انکی جہالت کا دوسرا ثبوت ہے۔ یہودیوں کی نسبت کئی جگہ جرم کا لفظ قرآن شریف میں آیا ہے۔ نمونہ کے لئے صرف تین آیتیں لکھنی کافی ہونگی۔ ایک آیت یہ ہے۔ وعلی الذین ھادوا حرمنا کل ذی ظفر ومن البقر والغنم حرمنا علیھم شحومھما الا ما حملت ظھورھما او الحوایا او ما اختلط بعظم ذالک جزینٰھم ببغیھم وانا لصادقون۔ فان کذبوک فقل ربکم ذو رحمۃ واسعۃ ولا یرد باسہ عن القوم المجرمین (الانعام رکوع ۱۸) اس آیت میں یہودیوں کا ذکر ہے۔ جنکی نسبت لفظ مجرمین آیا ہے۔ دوسری آیت یہ ہے۔ ولقد ارسلنا من قبلک رسلا الی قومھم فجاءوھم بالبینات فانتقمنا من الذین اجرموا۔ وکان حقا علینا نصر المؤمنین (الروم رکوع ۵) اس آیت میں گذشتہ انبیاء کے دشمنوں کو مجرم بیان کیا ہے۔ حضرت مسیح بھی انہی نبیوں میں شامل ہیں اسلئے انکے دشمن قرآن شریف کی رو سے مجرم ٹھیرتے ہیں۔ اب ہم عیسائی صاحبان سے پوچھتے ہیں کہ آیا یہودی حضرت مسیح کے دشمن تھے یا دوست۔ اگر وہ آپکے دوست تھے۔ تو بے شک وہ مجرم نہیں ہیں۔ لیکن اگر وہ آپکے دشمن تھے تو پھر قرآن شریف کی رو سے وہ مجرم ٹھیرتے ہیں۔ تیسری آیت یہ ہے۔ وکذالک جعلنا لکل نبی عدوا من المجرمین (پارہ ۱۹ رکوع ۱۲) اس آیت میں بھی انبیاء کے دشمن مجرمین کے لفظ سے پکارے گئے ہیں۔ اور اسلئے یہودی بھی مجرم ٹھیرتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے جانی دشمن تھے۔ اور آنحضرت ؐ کے بھی دشمن تھے۔

عیسائی نامہ نگاروں کو اپنے اس بیہودہ قول سے شرم کرنی چاہیئے۔ کہ قرآن شریف میں جرم کا لفظ یہودیوں کی طرف منسوب نہیں کیا گیا۔ انکا یہ قول بھی ایسا ہی بیہودہ ہے جیسا کہ انکا پہلا قول۔ کہ جرم کا لفظ قرآن شریف میں آیا ہی نہیں۔

اس سے عیسائی نامہ نگاروں نے صرف اپنی کم علمی کا ہی ثبوت نہیں دیا- بلکہ اپنی کم فہمی کا بھی ثبوت دیا ہے- اگر قرآن شریف میں یہودیوں کی نسبت جرم کا لفظ نہ بھی آتا- تو کیا پھر وہ انبیاء سے مساوی ٹھہر سکتے تھے- خدا انکی نسبت انکی بدعملی اور بدی بیان کرتے ہوئے ہر ایک لفظ سے کام لیتا ہے- جو خیال میں آسکتا ہے انکو فاسق- ملعون- کافر- معتدین- شیاطین- ظالم- بندر- مغضوب علیہم وغیرہ بیان کرتا ہے- ان الفاظ کے مقابل اگر قرآن شریف یہودیوں کی نسبت جرم کا لفظ نہ بھی بیان کرتا تو کیا وہ انبیاء کیطرح بے گناہ ثابت ہو سکتے تھے جنکے متعلق ان الفاظ میں سے کوئی بھی استعمال نہیں ہوا-

ششم- احادیث اور عصمت انبیاء

عیسائیوں کی کوشش کہ احادیث کے الفاظ کی بناء پر کوئی نتیجہ نکالیں- عبث ہے- پہلے انہیں ثابت کرنا چاہیئے- کہ یہ ہوبہو وہی الفاظ ہیں- جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلے- اور پھر انسے نتیجہ نکالنا چاہیئے- وہ نتائج جو صرف احادیث کے الفاظ پر مبنی ہوں- پختہ نہیں ہو سکتے- کیونکہ بناء انکی پختہ نہیں- قرآن شریف کے الفاظ کی بناء پر ہم نتائج قائم کر سکتے ہیں- مگر احادیث کے الفاظ پر کوئی نتیجہ قائم نہیں کر سکتے- احادیث میں جو دعائیں مذکور ہیں انسے عیسائی عدم عصمت کا نتیجہ نکالتے ہیں- مگر وہ ان دوسری احادیث کیطرف توجہ نہیں کرتے- جنسے عصمت ثابت ہوتی ہے- صرف دعاؤں کے الفاظ کی بناء پر نتیجہ نکالنا ٹھیک نہیں- کیونکہ پیشتر اسکے کہ ہم ان الفاظ سے کوئی نتیجہ نکالیں ہمیں پہلے یقینی طور پر ثابت کرنا چاہیئے- کہ ہوبہو یہی الفاظ بلا کم و کاست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلے- احادیث میں جو واقعات بیان کئے گئے ہیں- انسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت ثابت ہوتی ہے- اور کوئی بھی صحیح حدیث ایسی نہیں ملتی جس سے اسکے برخلاف نتیجہ نکال سکیں- میں یہاں نمونہ کے طور پر ایک حدیث مسلم سے درج کرتا ہوں جس سے صاف طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت ثابت ہوتی ہے- وعن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما منکم من احد الا وقد وکل بہ قرینہ من الجن وقرینہ من الملئکۃ قالوا وایاک یا رسول اللہ قال وایای ولکن اللہ اعانني علیہ فاسلم فلا یامرنی الا بخیر- ترجمہ- ابن مسعود روایت کرتا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے ایسا کوئی نہیں کہ جسکے ساتھ ایک جن اور ایک فرشتہ نہ ہو- پھر لوگوں نے کہا یا رسول اللہ آپکے ساتھ بھی ہیں- فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی ہیں لیکن اسنے مجھے اسپر مدد دی ہے پس وہ مسلمان ہو گیا ہے اور مجھ سوائے بھلائی کے اور کسی چیز کا حکم نہیں دیتا-

ہفتم- قرآن شریف میں کسی نبی کے گناہ کا ذکر نہیں ہے

میں یہاں ان انبیاء کا ذکر کرتا ہوں - جنکی نسبت عیسائی بیان کرتے ہیں - کہ قرآن شریف میں انکے گناہ ہونیکا ذکر ہے - اور دیکھتا ہوں کہ انکا یہ قول کہانتک صحیح ہے -

حضرت آدم کی نسبت تو خدا خود فرماتا ہے - ولم نجد له عزما - یعنی آدم نے یہ کام ارادۃً نہیں کیا - اب گناہ تو ارادہ پر منحصر ہے - اگر ایک شخص زہر پی لے اور اسکو علم ہو کہ یہ زہر ہے - اور اسکا نتیجہ موت ہوگا - تو ایسی صورتمیں وہ ایک گناہ کا مرتکب ہوتا ہے - لیکن اگر وہ اسکو بغیر علم کے پی لے تو اگرچہ اسکو نتیجہ تو بھگتنا پڑیگا - مگر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اسنے گناہ کیا - یہی حال حضرت آدم علیہ السلام کا ہے - ہمیں بائیبل سے معلوم ہوتا ہے کہ حوا نے انکو یہ پھل دیا تھا - انکو یہ علم نہ تھا کہ یہ وہی ممنوع پھل ہے - انکا یہ کام بیشک خدا تعالیٰ کے حکم کے خلاف تھا - مگر انہوں نے اس حکم کو عمداً نہیں توڑا - اسلئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے - کہ انہوں نے گناہ کیا - اس پھل کے کھانیکا وہی نتیجہ نکلا - جو زہر کھانے سے نکلتا ہے - کیونکہ قدرت اپنا کام کرنیسے نہیں رک سکتی - مگر اس صورتمیں کوئی گناہ نہیں تھا - کیونکہ کوئی ارادہ نہیں تھا -

حضرت آدمؑ کبھی شرک کے مرتکب نہیں ہوئے - شرک ایک ناقابل عفو گناہ ہے - اور خدا کے پاک لوگ ایسا گناہ نہیں کرسکتے جس آیت کا عیسائی حوالہ دیتے ہیں - اس میں حضرت آدم کا نام نہیں ہے اس میں صرف عام انسانوں کے میلان کا ذکر ہے جو شرک کیطرف انمیں پایا جاتا ہے -

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو مکا مارا تھا - وہ ناجائز محل پر نہیں تھا - انہوں نے اپنی جماعت کے ایک آدمی کی ایک دشمن کے مقابل حمایت کی اور موت کا واقع اتفاقی تھا - انکا ارادہ قتل کا نہیں تھا - خدا تعالیٰ کوئی گناہ انکی طرف منسوب نہیں کرتا -

حضرت ہارون علیہ السلام کو عیسائیوں نے یہ الزام لگایا ہے - کہ انہوں نے بت پرستوں کی امداد کی اور اس میں شریک ہوئے - یہ خالص جھوٹ ہے - قرآن شریف سے ہمیں اتنا معلوم ہوتا ہے - کہ وہ حضرت موسیٰ کی غیر حاضری میں قوم کو گوسالہ پرستی سے روک نہ سکے اور یہ قصہ قرآن شریف میں نہیں ہے - اگر دوسرے لوگ بائیبل کی جھوٹی کہانیاں درج کر دیں - تو قرآن شریف ایسے افسانوں کا ذمہ وار نہیں ہے -

حضرت مسیح نے کہا - کہ میں یونسؑ نبی کا نشان دکھاؤنگا - کیا انکا یہ مطلب تھا - کہ میں بھی یونسؑ کیطرح ایک گناہ کا ارتکاب کرونگا - یہ افسوس کی بات ہے - کہ جسکو حضرت مسیحؑ یونسؑ کا معجزہ قرار دیتے ہیں - اسکو آجکل کے عیسائی گناہ یا گناہ کی سزا بیان کرتے ہیں -

بالآخر کیا عیسائیوں کے لئے یہ مناسب نہیں - کہ پہلے یسوع کو ان گناہوں سے بری کرکے دکھائیں جنکا ذکر

انجیل میں ہے۔ بجائے اسکے کہ دوسرے انبیاء کو گنہگار ثابت کرنیکی کوشش کریں۔

لاہور کے بشپ کی رائے ہندوستان کی اخلاقی حالت پر

لاہور کا بشپ ایسٹ اینڈ ویسٹ ایک نئے مشنری رسالے میں مضمون نویسی کرتا ہوا ہندوستان کی گری ہوئی اخلاقی حالت پر یوں سُنطراز ہے "اصول زندگی میں ایمان کا بالکل معدوم ہونا ایک نہایت ہی گری ہوئی اخلاقی حالت اور گناہ کے احساس کا بالکل جاتے رہنا۔ یہانتک کہ انسان اسکے ارتکاب میں بالکل بیحیا ہو جائے اور سچی توبہ کے قابل ہی نہ رہے سوائے اسکے کہ اس گناہ کی سزا سے بچنے کی بڑی خواہش ہو۔ یہ ہے ہندوستان کی حالت اور یہ ہیں اسکے لوگوں کی زندگی میں قابل توجہ باتیں۔ اور جب یہ غور کیا جائے کہ یہ رذیل حالتیں صدیوں سے ان لوگوں کے خون میں رچ گئی ہیں اور انکی زندگی کو تباہ کر چکی ہیں تو آسانی سے سمجھ آسکتا ہے کہ پادریوں کی کوششیں کیوں اس جلدی اور اس کثرت سے بار آور نہیں ہوتیں جیسا کہ ہم چاہتے ہیں" یہ گری ہوئی اخلاقی حالت جسکو بشپ صاحب پادریوں کی کوششوں کے آگے ایک روک سمجھتے ہیں ایک استثنار کی محتاج ہے۔ کیونکہ بعض قوموں کے درمیان جیسے مثلاً چوہڑے یا چمار یا پاریا یا بعض دوسری نیچ ہندو قومیں پادری صاحبوں کی کوششیں بہت بار آور ہوئی ہیں جس سے لاہور کے بشپ صاحب کی منطق کی رو سے یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ چوہڑوں اور چماروں کی اخلاقی حالت اور گناہ کا احساس مسلمانوں اور ہندوؤں سے بہت بڑھکر ہے۔ پس کم از کم بشپ صاحب کو یہ چاہیئے تھا کہ ہندوستان کے باشندوں کی اخلاقی حالت پر حملہ کرتے وقت چوہڑوں اور چماروں کو مستثنےٰ کر دیتے پھر شاید اُنکی اس غلط بیانی سے مسلمانوں اور ہندوؤں کو اتنا رنج بھی نہ ہوتا۔ جہاں تک مسلمانوں پر بشپ صاحب کا حملہ ہے ہمارا ارادہ ہے کہ کسی دوسرے نمبر میں اسپر مفصل بحث کریں اور پردہ پر جو نہایت ہی بیہودہ حملہ بشپ صاحب نے اپنی فضیلت کو ثابت کرنیکے لئے کیا ہے اُسکی بھی تردید کریں لیکن قبل ایسی بحث کے ہمارے بعض سوالات ہیں جن پر امید ہے بشپ صاحب جواب دیکر کچھ روشنی ڈالیں گے۔ بشپ صاحب کہتے ہیں کہ ہندوستان میں گناہ کا احساس ہی نہیں رہا۔ لیکن ہم بادب بشپ صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ اُنکے نزدیک شراب خوری بھی کوئی گناہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیا یہ سچ نہیں کہ شراب خوری عیسائی ممالک میں اسلامی ممالک سے بہت ہی بڑھکر رائج ہے؟ کیا شراب خوری نے عیسائی اقوام کو تباہ کیا ہے یا مسلمانوں کو؟ کیا

عیسائی قومیں دوسرے ممالک میں جاکر شرابخوری کو رائج کر رہی ہیں یا مسلمان؟ کیا شرابخوری ایک ایسی بدی نہیں جو تمام دوسری بدیوں کی جڑھ ہے؟ کیا یہ سچ نہیں کہ شرابخوری ہی ایک ایسی چیز ہے جو گناہ پر دلیر کرتی اور اسکے احساس کو کم کرتی ہے؟ کیا شرابخوراندھوں کی طرح تمام تمدنی اور اخلاقی اصولوں کو توڑنیوالا نہیں ہوتا؟ اور بالآخر کیا شرابخوری کی عام کثرت اور رواج نے عیسائی ممالک میں بدکاری کی درخت کی پرورش سب سے زیادہ نہیں کی؟ ہم بشپ صاحب کے منہ سے ہی یہ فیصلہ بھی سننا چاہتے ہیں کہ اُنکے نزدیک زنا بھی کوئی گناہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیا یہ سچ نہیں کہ زنا اسلامی ممالک کے مقابلہ میں عیسائی ممالک میں بہت ہی بڑھکر کثرت سے ہو رہا ہے۔ بشپ صاحب سے بڑے بڑے کلیسیا کے عہدہ داروں نے اسبات کو تسلیم کیا ہے۔ اور بشپ صاحب کو ان نہایت ضروری سوالات کا جواب دیتے وقت اس بات کو کبھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ شراب سے بڑھکر کوئی چیز نہیں جو شہوات کو ابھارتی اور حیوانی خواہشوں کو جوش دیتی ہو۔ اور پھر کیا بشپ صاحب کے نزدیک قماربازی بھی کوئی گناہ ہے اور اگر ہے تو سب سے بڑھکر کونسے ممالک میں یہ رائج ہے۔ لیکن اگر بشپ صاحب کی یہ رائے ہے کہ شرابخوری زنا اور قماربازی گناہ ہی نہیں تو ہم امید کرتے ہیں کہ وہ گناہ کی تعریف کرکے اس معاملہ پر کچھ روشنی ڈالیں گے۔ ہاں ایک صورت میں انکا جواب ایسا ہو سکتا ہے کہ ہمیں خاموشی اختیار کرنی پڑے وہ کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ شرابخوری زنا اور قماربازی دوسرے لوگوں کے لئے گناہ ہیں لیکن عیسائیوں کے لئے کوئی گناہ نہیں کیونکہ مسیح کے خون نے اُنکے کسی گناہ کو گناہ رہنے ہی نہیں دیا اس صورت میں ہم مجبور ہونگے کہ اُنکے جواب میں اسی طرح خاموشی اختیار کریں جسطرح شاکت مت والوں کے اس اصول کے جواب میں ہمیں خاموش ہونا پڑتا ہے کہ اُن کے منتروں میں اسقدر بڑی طاقت ہے کہ ماں یا بھین سے زنا کو جائز کر دیتی ہے۔

ریویو آف ریلیجنز

انگریزی و اردو میں ہر ماہ کی بیس تاریخ کو چالیس یا زیادہ صفحوں پر شائع ہوتا ہے اور اسکے مضامین تین قسم کے ہوتے ہیں۔ مذاہب باطلہ (جن میں سب سے بڑھکر عیسائی مذہب ہے) کی تردید۔ قرآن کریم کی حقانیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلائل۔ اسلام پر جو اعتراض یا شکوک ہوں اُنکا رفع کرنا۔ مضامین عموماً حضرت میرزا **غلام احمد** صاحب کے ہوتے ہیں۔

قیمت انگریزی رسالہ	سالانہ مع محصولڈاک	للعہ	فی پرچہ ۶ر
״ اردو رسالہ	״ ״	معمولی کاغذ عہ	״ ۳ر
״ ״	״ ״	ولایتی کاغذ سے	״ ۴ر

پیشگی قیمت آنے پر جاری ہو سکتا ہے۔ یا پہلا پرچہ بذریعہ وی پی سالانہ یا ششماہی قیمت کی وصولی کے لئے بھیجا جاسکتا ہے۔ یہ رسالہ تجارتی اشتہارات کے لئے بھی کھلا ہے بشرطیکہ وہ ہر ایک قسم کے فحش سے اور مبالغہ سے پاک ہوں اجرت اشتہارات کا نقشہ حسب ذیل ہے۔ فی سطر ۲ر

	پورا صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ
سالانہ	عسہ	ہدعہ	عہ
ششماہی	ہہعہ	عہ	سے ر
سہ ماہی	عہ	سے ر	للعہ ر

٭ رسید زر
(ازیکم لغایت ۱۵ جون)

۴۲۵ شیخ نبی بخش صاحب	عہ	۳۰۰ محمد اکرم صاحب	عہ
۵۹ حافظ فضل احمد صاحب	عہ	۷۷۹ محمد عظیم صوفی	عہ
۴۲۵ شیخ نبی بخش صاحب	عہ	۳۱۰ منشی عبدالعزیز صاحب	عہ ۲ر
۲۷۵ منشی رستم علی صاحب	سے	۲۵۶ پیر برکت علی	عہ
۸۷۶ فیض محمد صاحب پٹواری	عہ ۸ر	۴۳۰ ہدایت اللہ	عہ

٭ سوائے وی پی کے جو روپیہ صرف اردو یا اردو اور انگریزی رسالہ کی قیمت میں وصول ہوا کریگا اسکی رسید اسجگہ دی جایا کریگی جو روپیہ بسبیل وی پی وصول ہوگا یا جو صرف انگریزی رسالہ کی قیمت میں وصول ہوگا اسکی رسید اسجگہ نہیں دی جاوے گی۔

حبوب جواہر۔ مشک عنبر۔ مونگا موتی۔ یاقوت۔ اور بیش قیمت جواہرات سے خالص تیار ہوتی ہیں۔ انسان کی زندگی تندرستی اور طاقت کیلئے اس سے بہتر کوئی دوا نہیں۔ امراض قلب اعصاب گردہ مثانہ و فساد خون کے رفع کرنے میں بے مثل ہیں۔ معدہ کو درست اور خون کو زہریلے مادوں سے صاف اور تمام جسم کے اعصاب کو قوی اور مضبوط کرتی ہیں۔ وبائی اور زہریلی بیماریوں کو روک دیتی ہیں طبیعت میں تفریح اور خاطر خواہ نشاط پہونچاتی ہیں۔ عقل ہوش و حواس حافظہ ذہن و فہم کو تقویت دیتی ہیں

مرہم عیسیٰ عجیب و غریب اگر دنیا بھر میں سب سے پُرتاثیر تیر بہدف ہر قسم کے زخموں۔ جراحتوں۔ پھوڑوں۔ گلٹیوں۔ خنازیر۔ سرطان۔ طاعون اور ہر ایک قسم کے خبیث زہریلے پھوڑوں پھنسیوں۔ ناسوروں۔ بواسیر۔ گنج۔ خارش اور طرح طرح کی جلدی بیماریوں۔ ہاتھوں کے سردی سے پھٹ جانے۔ جانوروں کے کاٹ لینے۔ جل جانے۔ عورتوں کے خطرناک سرطان رحم وغیرہ کیلئے صدہا سال کا مجرب ہر طبقہ کے حکماء کا متفقہ و مجربہ بابرکت علاج چاہتے ہیں تو یہ بابرکت مرہم صرف اس کارخانہ سے منگاؤ جو اسکو خالص اجزا سے طیار کرنیکا ذمہ وار ہے۔ طبی جہان اس کے کامیاب تاثیرات کا ممنون ہے۔ قیمت فی ڈبیہ ۱۲؍ ۱؍ عہ

پاکٹ کیس ادویات۔ اکثر جا میں طبیب اور علاج کے بروقت نہ پہونچنے سے سخت تکلیف برداشت کرتی اور بعض وقت بحسرت ہلاک ہو جاتی ہیں اور اس دردناک حالت کو دیکھکر ہم نے یہ پاکٹ کیس تیار کیا ہے اور اس میں مختلف پچاس ساٹھ بیماریوں کی جنکی اکثر شکایت رہتی ہے وہ زود اثر صحیح مجرب ادویہ رکھی ہیں جنسے جلد ہی ڈاکٹری اور یونانی طب ثابت نہیں کر سکی اور یہ کیس ایسا بنایا گیا ہے کہ جیب میں رہ سکے ایک کتاب اسکے ہمراہ ہے اور ہر طرح ایسی آسانی کیگئی ہے کہ شدبد جاننیوالا انسان بھی سفر و حضر میں اسکو سمجھ کر پورے طبیب کا کام دیسکتا ہے اور ادویہ کے استعمال سے وقت مریض کو خطرات متعلقہ سے بچا سکتا ہے۔ اسلئے اس پاکٹ کیس کا ہر ایک انسان کے پاس ہر حالت میں ہونا ضروری ہے۔ قیمت صہ ؍ عہ

عمدۃ التقویم ۱۹۰۲ء مع فہرست ادویات مفت | **کارخانہ مرہم عیسیٰ حکیم محمد حسین برادر لاہور سے طلب کرو** | آئینہ صحت نسخہ سرٹیفکیٹ ادویات کارخانہ مرہم عیسیٰ

Digitized by Khilafat Library

ہدایتیں

(۱) بارہا یہ اعلان کیا گیا ہے کہ خریداران خط و کتابت میں یا روپیہ بھیجتے وقت اپنا نمبر جو انکی چٹ پر انکے نام کے پہلے ہوتا ہے ضرور دیا کریں مگر اسپر توجہ نہیں کی جاتی لہذا کوئی صاحب جو اس قاعدہ کی پابندی نہ کرینگے انکے حکم کی وہ وقت پر تعمیل نہ ہو سکیگی شکایت نہ کریں۔

(۲) حصص سرمایہ انجمن اشاعت اسلام کا روپیہ بنام مفتی محمد صادق فنانشل سکرٹری انجمن بمقام قادیان آنا چاہیے اور اسکے متعلق خط و کتابت مولوی شیر علی صاحب بی اے سکرٹری بورڈ آف ڈائرکٹر بمقام قادیان یا خواجہ کمال الدین صاحب سکرٹری انجمن بمقام پشاور سے ہونی چاہیے۔

(۳) خریداری میگزین کا روپیہ منیجر رسالہ ریویو آف ریلیجنز کے نام آنا چاہیے اور جملہ خط و کتابت متعلقہ بھی اسی پتہ پر ہونی چاہیے۔

المشتہر

منیجر ریویو آف ریلیجنز قادیان ضلع گورداسپور

مدرسہ تعلیم الاسلام خدا کے فضل سے کالج بنگیا ہے۔ اسکے استحکام اور تقویت کیلئے سب بھائیوں کو فراہمی چندہ میں خاص طور سے کوشش کرنی چاہیے اور اپنے عزیزوں اور متعلقین کو تعلیم کے لئے اس جگہ بھیجنا چاہیے۔ اسکے متعلق ہر ایک استفسار کا جواب مفتی محمد افضل صاحب دیں گے۔